بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

گلدستۂ دینیات

یعنی

مڈل اور ہائی کلاسز کے لئے

دینی اسباق

کا

دلچسپ مجموعہ

صرف ٹائٹل ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپا

منظور فرمودہ نظارت تالیف و تصنیف سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان دارالامان

(بروئے چٹھی نمبر ۹۶۴ مورخہ ۵ ماہ ہجرت ۱۳۱۷ ہجری شمسی)

گلدستۂ دینیات

یعنی

احمدی لڑکوں کے لئے دینی اسباق کا

دلچسپ مجموعہ

مرتبہ

پیر صلاح الدین صاحب بی-اے ایل ایل بی پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ فاضلکا

ملک مبارک احمد خاں صاحب امین آبادی سابق مدیر جریدہ عبرت کلکتہ

جسے

شیخ محمد امین اینڈ سنز بک سیلرز امین آباد ضلع گوجرانوالہ

نے

زیر اہتمام پبلشرز مولوی ابوالفضل محمود قادیان طبع کرایا

قیمت ...... ۵ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

معنون

ہم اس "گلدستہ دینیات" کو اپنے نہایت ہی عزیز رفیق مخلص احمدی نوجوان چوہدری محمد مالک خاں صاحب تسنیم مرحوم و مغفور (متعلم لاء کالج لاہور) غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَ جَعَلَ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ کے نام سے معنون کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَ عَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَ اَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ ۔
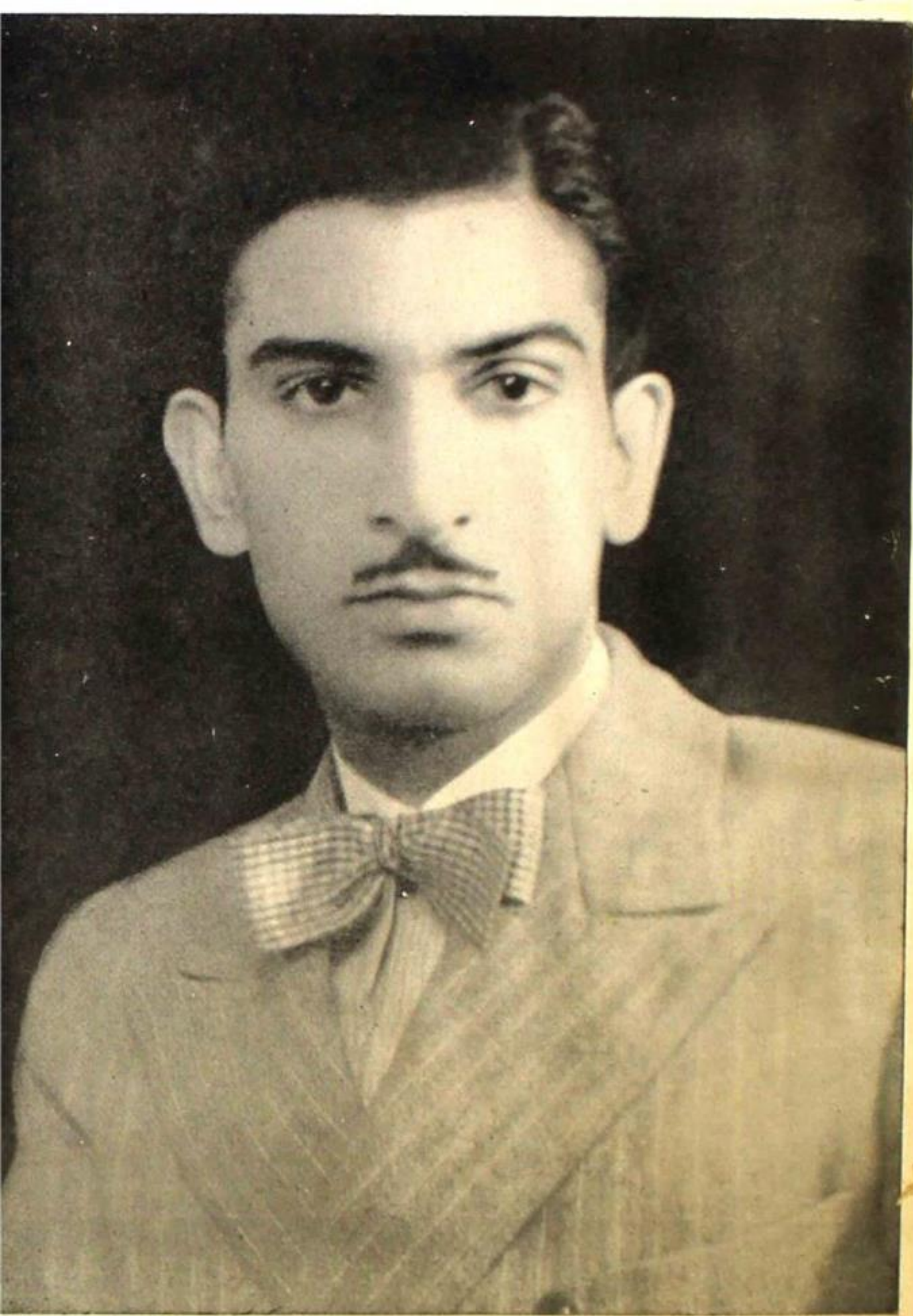
M. Malik Tasneem
B.A.,

فہرست مضامین

گلدستۂ دینیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط

اللہ تعالیٰ

اللہ تعالےٰ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ اس کا کوئی باپ ہے اور نہ بیٹا۔ زمین۔ آسمان۔ چاند۔ سورج۔ آگ۔ پانی۔ گرمی۔ سردی سب چیزوں کو اُس نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے۔ اور ہمیشہ رہیگا۔ وہ دُکھ اُٹھانے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہ ایسا ہے کہ باوجود دُور ہونے کے نزدیک ہے۔ اور باوجود نزدیک ہونے کے دُور ہے۔

وہ سب ملکوں کا مالک ہے اور سب جہانوں کو پالنے والا ہے۔ وہ ہر قسم کے عیوب اور نقصوں سے پاک ہے۔ زمین اور آسمان کے اندر جو پوشیدہ سے پوشیدہ بات ہے۔ وہ سب اس پر ظاہر ہے۔

اُسی کے حکم سے دُنیا کے سب کام چل رہے ہیں۔ وہ سب کو پالتا ہے۔ جو اس کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق اس کی عبادت اور بندگی کرتا ہے وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ ہمارے دِل کو صرف اس کی عبادت سے ہی ہمیشہ رہنے والی اور حقیقی خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔

جو لوگ اس کی عبادت میں سستی کرتے ہیں۔ اُن پر زندگی دو بھر ہو

جاتی ہے اور ان کا دل ہمیشہ ناخوش رہتا ہے۔ بہت نیک وہی ہے۔ جو اس کی عبادت میں بہت جی لگاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نیک بندوں سے خوش ہوتا ہے۔ اُن کی دعاؤں کو سنتا ہے اور جو کچھ وہ اس سے مانگتے ہیں دیتا ہے۔ اُن سے باتیں کرتا ہے۔ اور آیندہ ہونے والی باتوں کا پہلے ہی پتہ دے دیتا ہے۔

اس کا نہ کوئی جسم ہے نہ شکل۔ لیکن اپنے نیک بندوں پر اپنے تئیں مثال کے رنگ میں ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنی قدرتوں اور طاقتوں کے ساتھ اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔

وہی پیدا کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ جب اس کا حکم ہوگا۔ ہم سب مر کر اس کے پاس چلے جائینگے۔ جس نے اچھے کام کئے ہونگے اسے ہمیشہ ہمیش کے لئے جنت میں جگہ دے گا۔ اسے وہاں ایسی ایسی نعمتیں دیگا۔ جن کو ابھی ہم خیال میں بھی نہیں لا سکتے۔

لیکن جس نے برے کاموں یا سستی میں اپنی زندگی گذاری ہوگی۔ اُسے دوزخ میں ڈالے گا۔ جب وہ اپنے کیئے کی سزا اچھی طرح پالیگا۔ تو پھر اُس کی وسیع رحمت اُسے بھی جنت میں پہنچا دیگی۔

نیکی اور گناہ

مجید۔ اپنے اُستاد سے۔

مولوی صاحب۔ نیکی کسے کہتے ہیں اور گناہ کا کیا مطلب ہے؟

مولوی صاحب۔ مجید میاں۔ خدا تعالےٰ نے تمہیں بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان نعمتوں کو نامناسب اور ناجائز طریقوں سے استعمال کرنے کا نام گناہ

ہے اور اُنہیں جائز اور صحیح رنگ میں کام میں لانے کا نام نیکی ہے۔ مثلاً۔ خدا تعالےٰ نے تمہیں طاقت عطا فرمائی ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر تم اس نعمت کو ناجائز اور نامناسب طور سے استعمال کرو۔ یعنی کمزوروں اور بیکسوں کو تکلیف پہنچانے لگو۔ تو اس طور سے طاقت کا استعمال گناہ کہلائیگا۔ اور تم ظالم اور گنہگار ٹھہرو گے۔

لیکن اگر تم اسی نعمت کو صحیح طور سے کام میں لاؤ۔ مثلاً کسی غریب۔ اور بیکس کی امداد کرو۔ کوئی شخص کسی کمزور پر ظلم کر رہا ہو۔ تو تم اپنی طاقت کو اُسے ظلم سے روکنے میں خرچ کرو۔ کسی کے گھر سے چور مال چُرا کر دوڑے جا رہے ہوں۔ تم ان کا پیچھا کرکے اپنی طاقت کے استعمال سے مال چھین کر اصلی مالک کو پہنچا دو۔ تو یہ خدا کی نعمت کا صحیح استعمال ہوگا۔ اور تمہارے یہ اچھے کام نیکی کہلائینگے۔ اور تمہیں ہمدرد۔ دلیر اور شجاع کہا جائیگا۔

اسی طرح عقل بھی خدا تعالےٰ کی نہایت قابلِ قدر نعمتوں میں سے ہے اور ہمیں خدا تعالےٰ نے یہ نعمت اس لئے عطا فرمائی ہے کہ اس سے اچھے اچھے مفید کام سرانجام دیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اسے نامناسب طور سے کام میں لاوے۔ مکر و فریب میں خرچ کرے۔ اور لوگوں کو دھوکہ دینے کی ترکیبیں نکالنے کا ذریعہ بنالے تو خدا تعالےٰ کی اس نعمت کو غلط اور ناجائز طور سے استعمال کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار۔ فریبی اور مکّار ٹھہریگا۔

اسی طرح ہاتھ پاؤں۔ آنکھ۔ کان۔ مال و دولت اور جاہ و حشم وغیرہ وغیرہ بیشمار خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ جو شخص ان کا صحیح اور برمحل استعمال کرے۔ وہ نیکی کرنے والا ہوگا۔ اور جو غلط اور ناجائز طور سے اُنہیں کام میں لائیگا وہ گناہ کا مرتکب سمجھا جائیگا +

ایمان

ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا کہ جب کہ ابھی علم کمال تک نہیں پہنچا۔ اور شکوک اور شبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔

ایمان کی نشانی کیا ہے۔ اور اس کے معنے کیا ہیں ؟

یہی کہ مان لینا اور پھر اس پر یقین آجانا۔ جب انسان ایک بات کو سچے دل سے مان لیتا ہے۔ تو اس کا اس پر یقین ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے مطابق اعمال بھی سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص جانتا ہے کہ سنکھیا زہر ہے۔ یا ایک سانپ جان کا دشمن ہوتا ہے۔ جس کو کاٹتا ہے اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ تو اس ایمان کے بعد نہ وہ سنکھیا کھاتا ہے۔ اور نہ ہی سانپ کے سوراخ میں انگلی ڈالتا ہے۔ غرض جس چیز پر ایمان کامل ہوتا ہے۔ اس کے مطابق اس سے عمل بھی صادر ہوا کرتے ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے کہ خدا کے موجود ہونے کا تو ایمان ہو۔ اور حساب کتاب کا دن یاد ہو تو پھر گناہ باقی رہ جائیں ؟

(از ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

نبی۔ رسول یا پیغمبر

جب دنیا کے لوگ خدا تعالےٰ کی عبادت کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور نیک کاموں کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اور بُرے بُرے کام بڑی خوشی سے کرتے ہیں۔ بدی اور گناہ کی باتوں میں دلی رغبت پاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ انہی لوگوں میں سے اپنے کسی نیک بندے کو چن لیتا ہے اور اسے بکثرت اپنے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کرکے اس پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار کرتا ہے اور اس

کو حکم دیتا ہے کہ تم سب لوگوں کو بُرے کاموں سے روکو اور اچھے کاموں کی تلقین کرو اور سمجھاؤ کہ خدا نے تم کو صرف اپنی بندگی اور عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ ایسے بندوں کو نبی۔ رسُول یا پیغمبر کہتے ہیں۔ جو ہر قوم اور ہر ملک میں مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ نبی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک شرعی جو شریعت یعنی قانون کی کتاب لے کر آتے ہیں۔ دوسرے غیر شرعی۔ جو شریعت کو قائم کرنے اور پھیلانے کے لئے آتے ہیں۔ ان کو خود خدا تعالیٰ اپنی کتاب کا علم دیتا ہے۔ اور اس کی اشاعت کے ذرائع مہیا فرماتا ہے۔

شریعت کی کتاب لانے والے سب سے آخری نبی ہمارے سیّد و مولےٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن کو تعالےٰ نے قرآن مجید شریعت کی ایسی مکمل کتاب دی کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا۔ جو نئی شریعت لائے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے کسی حکم کو کم کرے یا بڑھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب قرآن مجید قیامت تک کے لئے دنیا کی ہدایت کا موجب رہیگی۔ لیکن قرآن شریف کی شریعت کو قائم کرنے اور پھیلانے کے لئے جب بھی خدا تعالےٰ چاہے غیر شرعی نبی قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل فرمانبرداری اور غلامی میں ہو کر آتے رہینگے۔

ہمارے زمانہ میں حضرت اقدس میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالےٰ نے قرآن مجید کی شریعت کو قائم کرنے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و بڑائی کے اظہار کے لئے غیر شرعی نبی بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔ خدا نے میرا نام نبی اور رسول رکھا ہے۔ مگر ان معنوں سے نہیں کہ گویا میں شریعت محمدی کو منسوخ کرتا ہوں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے

رو سے خاتم الانبیاء ہیں اور اس کا منکر کافر ہے۔

صرف ان معنوں سے خدا نے میرا نام رسول رکھا ہے کہ میں دنیا میں اس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ دین اسلام سچا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں۔ اور صرف ان معنوں سے میں نبی کہلاتا ہوں کہ اسلام کی تائید کے متعلق خدا مجھ پر غیب کی باتیں کھولتا اور بڑے بڑے نشان دکھاتا ہے۔ لیکن محض اپنی مرضی اور ارادہ سے۔ دوسرے کی مرضی کا وہ محکوم نہیں ہے۔

ہم نے جو کچھ پایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے پایا ہے اور خدا نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دونگا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے۔

(خط بنام ہز ہائینس نواب سر سید حامد علی صاحب مرحوم والئے رام پور)

رسول کا انکار خدا کا انکار ہے

جب کبھی خدا تعالےٰ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا ہے تو جو اس کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو۔ جب ایک مَامُور مِنَ اللہ آتا ہے۔ تو اس سے منہ پھیرنا اصل میں خدا سے منہ پھیرنا ہے۔ دیکھو۔ گورنمنٹ کا ادنی سا چپڑاسی پانچ روپیہ ماہوار اس کی تنخواہ ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ گورنمنٹ کے حکم سے سرکاری پروانہ لے کر زمینداروں کے پاس جاتا ہے۔ اگر زمیندار یہ خیال کر کے کہ یہ ایک پانچ روپیہ کا ملازم ہے۔ اس کو تنگ کریں۔ اور بجائے اُس کے حکم کی تعمیل کرنے کے اُلٹا اُس کو ماریں اور بدسلوکی سے پیش آویں۔ اب بتلاؤ کہ کیا گورنمنٹ ایسے شخصوں کو سزا نہ دیگی؟ دیگی اور ضرور دیگی۔ کیونکہ گورنمنٹ کے

چپڑاسی کو بے عزت اور ذلیل کرنا اصل میں گورنمنٹ کو ہی بے عزت اور ذلیل کرنا ہے۔ اسی طرح جو شخص خدا کے مامور کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ اُس کی نہیں۔ بلکہ حقیقت میں خدا کی مخالفت کرتا ہے۔

(از ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ الحکم ۲۴/۳۱ جنوری ۱۹۰۸ء)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ طفولیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے کامل و مکمل انسان تھے کہ آپ کی زندگی ہر شعبہ کے انسانوں کے لئے ایک کامل نمونہ ہے چنانچہ بچوں کے لئے بھی آپ کی زندگی ایک اسوۂ حسنہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بچپن میں ہی آپ کے اخلاق ایسے پیارے اور دلربا تھے کہ وہ تمام لوگ جن کو آپ سے واسطہ پڑتا۔ آپ کے اخلاق کو دیکھ کر آپ کے گرویدہ ہو جاتے۔

سب سے پہلے آپ اپنی دایہ حلیمہ کی کفالت میں آئے۔ جس نے پانچ سال کی عمر تک آپ کی پرورش کی۔ اور اس عمر میں بھی آپ کے اخلاق ایسے پسندیدہ تھے کہ نہ صرف خود حلیمہ آپ کو بہت عزیز رکھتی تھی۔ بلکہ اس کے قبیلے کے تمام لوگ آپ کو محبت کی نظر سے دیکھتے۔

حلیمہ کے بعد آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کو براہِ راست اپنی کفالت میں لے لیا۔ اور وہ بھی آپ کے پیارے اخلاق کو دیکھ کر آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ تو آپ کو اپنے کندھے پر بٹھا لیتے۔ صحن کعبہ میں عبد المطلب فرش بچھا کر بیٹھتے تھے۔ اور کسی کو مجال نہ تھی کہ اس فرش پر اُن کے ساتھ بیٹھ سکے۔ حتیٰ کہ عبد المطلب کے اپنے لڑکے بھی ہٹ کر بیٹھتے تھے۔ مگر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف عبد المطلب کے پاس جا بیٹھتے۔ اور وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوتے۔ آپ کے چچا بعض اوقات آپ کو فرش پر بیٹھنے سے روکتے۔ تو عبد المطلب ان کو روک دیتے اور کہتے کہ اسے تم کچھ نہ کہو۔

عبد المطلب نے مرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اس وقت آٹھ برس کے تھے۔ اپنے بیٹے ابو طالب کے سپرد کیا اور تاکید کی کہ اس بچہ کا بہت خیال رکھنا۔

جس طرح آپ کے پیارے اخلاق نے حلیمہ اور اس کے قبیلہ کے لوگوں اور عبد المطلب کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اسی طرح ابو طالب بھی آپ کے گرویدہ ہو گئے وہ آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور اپنے بچوں سے بڑھ کر آپ کو عزیز رکھتے۔ ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے اور رات کے وقت بھی اپنے ساتھ ہی سلاتے۔

اس زمانہ کے متعلق ابو طالب ایک شہادت دیتے ہیں جس سے آپؐ کے بچپن کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بچپن میں بھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نہ کبھی ہنسی مذاق کرتے ہوئے دیکھا نہ کبھی جہالت کی کوئی بات آپؐ سے سرزد ہوئی۔ اور نہ کبھی آوارہ اور بازاری لڑکوں کے ساتھ آپ نے میل جول کیا۔ اس شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ بچپن میں ہی آپ کی طبیعت میں وقار۔ شرافت۔ سنجیدگی اور راست گوئی پائی جاتی تھی ایسا ہی ابو طالب کی لونڈی شہادت دیتی ہے کہ آپؐ نے کبھی مانگ کر کھانا نہیں کھایا۔ جب آپ کو کھانا دیا جاتا تو آپ کھا لیتے۔

اس شہادت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بچپن میں ہی آپؐ کی طبیعت میں وقار اور ضبطِ نفس اور حیا پایا جاتا تھا۔ اور سوال سے اس قدر نفرت تھی کہ اپنے گھر سے بھی کھانا مانگ کر لینا پسند نہیں فرماتے تھے۔

ایک اور واقعہ جس سے آپؐ کے بچپن کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے۔ کعبہ کی تعمیر سے تعلق رکھتا ہے۔ لکھا ہے کہ آپؐ کی صغر سنی کے زمانہ میں جب کعبہ کی تعمیر کی تیاری شروع ہوئی۔ تو آپؐ بھی اس کے لئے اپنے کندھے پر پتھر اٹھا اٹھا کر جمع کرتے تھے۔

آپؐ نے صرف ایک تہہ بند باندھا ہوا تھا۔ بدن پر کوئی اور کپڑا نہ تھا یہ دیکھ کر آپؐ کے چچا عباسؓ نے آپؐ سے کہا اپنا تہہ بند اتار کر اپنے شانہ پر رکھ لو۔ تا پتھروں کی رگڑ وغیرہ نہ لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیل حکم تو کی۔ مگر حیا کا یہ عالم تھا کہ ننگے ہوتے ہی شرم کے مارے غشی کی سی حالت طاری ہوگئی۔ اور آپ کی آنکھیں پھرا گئیں۔ اور آپؐ زمین پر گر گئے۔ حتیٰ کہ آپؐ نے پھر جلدی سے اپنا تہہ بند باندھ لیا۔

اس واقعہ سے اوّل تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت آپؐ کی عمر اتنی چھوٹی تھی کہ اس عمر میں تہہ بند اتارنا کوئی عیب کی بات نہیں سمجھی جاتی۔ مگر اتنی چھوٹی عمر میں بھی آپؐ پر حیا اتنی غالب تھی کہ آپ غش کھا کر گر پڑے اور جلدی سے پھر تہہ بند باندھ لیا۔

دوسری بات اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ آپؐ میں اپنے بزرگوں کی اطاعت کا مادہ فطرتی طور پر پایا جاتا تھا۔ اور اپنی طبیعت اور میلان کے خلاف بھی ان کی فرمانبرداری سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

تیسرا نتیجہ اس واقعہ سے یہ نکلتا ہے کہ آپ کو صغر سنی میں بھی نیک کاموں میں حصہ لینے کا شوق تھا۔ چنانچہ اسی شوق اور محبت کی وجہ سے آپؐ خانہ کعبہ کی تعمیر کیلئے اپنے کندھوں پر پتھر اٹھا اٹھا کر جمع کر رہے تھے۔ خدا تعالےٰ ہمارے نوجوانوں کو اس کو پاک نمونہ پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔ (از حضرت مولوی شیر علی صاحب)

ہمارا پیشوا

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُس کا ہے محمدؐ دِلبر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے بدرالدجیٰ یہی ہے

اُس نُور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہُوا ہوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

وہ دلبر یگانہ عِلموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

دِل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چُوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

(از حضرت مسیح موعود علیہ السّلام)

قرآنِ مجید

تم ہوشیار رہو۔ اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سَو

حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے۔ وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں۔ اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو۔ اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں۔ جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے۔ اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے کوئی اور کتاب نہیں جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے۔ جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔

پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا۔ تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔ قرآن شریف نے تمام بدیوں کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ان کا علاج بھی ذکر کیا ہے .....

..... اس کی ہمیشہ تلاوت کرتے رہو۔ اور دعا کرو کہ خدا تمہیں اس پر قائم رکھے۔ (فرمودہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ از کشتی نوح و کلمہ طیبہ)

قرآن شریف کی شان

جمالِ وحُسنِ قرآں نُورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیوں کر نہ ہو یکتا۔ کلامِ پاک رحماں ہے
بہارِ جاوداں پیدا ہے اُس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بُستاں ہے
کلامِ پاکِ یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے
خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت۔ یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے
ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی
سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے
بنا سکتا نہیں اِک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نُورِ حق کا اُس پہ آساں ہے

قرآن مجید کی نصیحتیں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لوگوں کو وہ باتیں کہو۔ جو واقعی طور پر نیک ہوں۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے۔ وہی اچھی ہو۔ اور

عیب مت لگاؤ۔ اپنے لوگوں کے بُرے بُرے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو۔ اور نہ عیبوں کو کرید کرید کر پُوچھو۔

ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔ کسی کی نسبت وہ بہتان یا الزام مت لگاؤ جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ اور یاد رکھو! کہ ہر ایک عضو سے مُواخذہ ہوگا۔ اور کان۔ آنکھ۔ دِل ہر ایک سے پوچھا جائیگا"۔

بُتوں کی پرستش اور جُھوٹ بولنے سے پرہیز کرو۔ یعنی جھوٹ بھی ایک بُت ہے جس پر بھروسہ کرنے والا خدا کا بھروسہ چھوڑ دیتا ہے۔ سو جُھوٹ بولنے سے خدا بھی ہاتھ سے جاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ جب تم سچّی گواہی کے لئے بُلائے جاؤ تو جانے سے انکار مت کرو۔ اور سچی گواہی کو مت چھپاؤ۔ اور جو چھپائیگا اس کا دِل گنہگار ہے۔ اور جب تم بولو تو وہی بات منہ پر لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت کی بات ہے۔ اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو۔ حق اور انصاف پر قائم ہو جاؤ۔ اور چاہیئے کہ ہر گواہی تمہاری خدا کے لئے ہو۔ جُھوٹ مت بولو۔ اگرچہ سچ بولنے سے تمہاری جانوں کو نقصان پہنچے۔ یا اس سے تمہارے ماں باپ کو ضرر پہنچے اور قریبیوں کو جیسے بیٹے وغیرہ کو۔ اور چاہیئے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں سچی گواہی سے نہ روکے۔ سچے مرد۔ اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائینگے۔ ان کی عادت ہے کہ اوروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں۔ اور جھوٹوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے"۔

(ترجمہ از حضرت مسیح موعود علیہ السلام
ماخوذ از اسلامی اصول کی فلاسفی)

سُنتِ نبوی

تم پڑھ چکے ہو کہ سب سے مقدم اور اوّلین ذریعۂ ہدایت جو ہمیں دیا گیا ہے وہ قرآن مجید ہے جو خاص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

دوسرا ذریعہ ہدایت کا سنت ہے۔ یعنی وہ پاک نمونے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل اور عمل سے دکھلائے۔ مثلاً نماز پڑھ کے دکھائی کہ یُوں نماز چاہیئے۔ اور روزہ رکھ کر دکھلایا کہ یُوں روزہ چاہیئے۔ اس کا نام سُنّت ہے یعنی روش نبوی۔ پس یاد رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خدا کے قول کو فعل کے رنگ میں دکھلایا اسے سنت کہا جاتا ہے۔

خدا اور رسُول کی ذمہ واری کا فرض صرف دو امر تھے۔ اور وہ یہ کہ خدا تعالےٰ قرآن کو نازل کر کے مخلوقات کو بذریعہ اپنے قول کے اپنے منشا سے اطلاع دے یہ تو خدا کے قانون کا فرض تھا۔ اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا یہ فرض تھا کہ خدا کے کلام کو عملی طور پر دکھلا کر بخوبی لوگوں کو سمجھا دیں۔ یعنی حضور علیہ السلام نے خدا کے حکموں کو خود عملاً کر کے دکھا دیا۔ اور اپنی سنت یعنی عملی کارروائی سے مشکل مسئلوں کو حل کر دیا۔

یہ خیال درست نہیں کہ یہ حل حدیث پر موقوف تھا کیونکہ حدیث کے وجود سے پہلے اسلام زمین پر قائم ہو چکا تھا۔ اور جب تک حدیثیں جمع نہ ہوئی تھیں۔ اس زمانہ میں لوگ نمازیں پڑھتے زکوۃ دیتے اور حج کرتے تھے۔ اور حلال اور حرام سے اچھی طرح واقف تھے۔

بعض لوگ فعل رسولؐ اور قول رسُول دونوں کا نام حدیث رکھتے ہیں لیکن ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دراصل سنت الگ ہے جس کی اشاعت

کا اہتمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود فرمایا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس عملی نمونہ کا نام ہے۔ جو نیک مسلمانوں کی عملی حالت میں ابتدا سے چلا آیا ہے۔ جس پر ہزارہا مسلمانوں کو لگایا گیا اور احادیث یعنی اقوال رسولؐ الگ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ڈیڑھ سو برس بعد جمع کیا گیا۔ (ملخص بتغیرِ الفاظ از کشتیٔ نوح)

حدیث شریف

سعید۔ اپنے اُستاد سے۔

مولوی صاحب۔ کل میں نے اپنی کتاب میں "حدیث" کا لفظ پڑھا ہے۔ اور پرسوں آپ نے ابّا جان سے باتیں کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جو اپنے سے بڑی عمر والوں کا ادب نہیں کرتا۔ اور اپنے سے چھوٹی عمر والوں سے پیار نہیں کرتا وہ پکا مسلمان نہیں۔

یہ تو فرمایئے کہ حدیث کسے کہتے ہیں؟

مولوی صاحب۔ بیٹا! عربی زبان میں حدیث۔ بات کو کہتے ہیں۔ لیکن دینی باتوں میں یہ لفظ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر اس بات پر بولا جاتا ہے جو آپ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہو۔

سعید۔ مولوی صاحب! یہ تو میں سمجھ گیا کہ جو بات ہمارے سید و مولیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہو اُسے حدیث کہتے ہیں لیکن یہ تو فرمایئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کس طرح جمع کی گئیں؟ اور کس نے۔ کس زمانہ میں آپ کی باتوں کو اکٹھا کیا؟

مولوی صاحب۔ سعید! تم بڑے ہوشیار ہو۔ ایک ہی سانس میں تین بڑے

بڑے سوال پوچھ گئے۔ لو اب اپنے سوالوں کا جواب غور سے سنو۔

ہمارے سید و مولےٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا کلام دو طرح کا تھا۔ ایک وہ جس کے الفاظ خاص طور سے اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ پر الہام کئے جاتے تھے۔ یہ بابرکت الفاظ اللہ تعالےٰ کا کلام قرآن مجید ہے۔

جس وقت یہ کلام پاک نازل ہوتا حضرت رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم فوراً اُسے لکھوا لیتے۔ اور بہت سے مسلمان اُسے حفظ کر لیتے۔

اور دن میں پانچ مرتبہ نمازوں میں اور دُوسرے فرصت کے وقتوں میں بار بار پڑھتے رہتے۔

دُوسرا کلام۔ وہ بات چیت تھی جو آپ مختلف اُمور کے متعلق لوگوں سے ملنے جُلنے کے وقت کرتے تھے۔ اسی کا نام حدیث ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں آپؐ کی باتوں کو لکھا نہیں جاتا تھا۔ بلکہ ہر شخص جسے کوئی دینی مسئلہ معلوم کرنا ہوتا تھا وہ خود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر پوچھ لیتا تھا اور حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد جب کسی مسلمان کو کوئی دین کی بات دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اُن بڑے بڑے صحابہ کے پاس جاتے۔ جنہیں اکثر آپ کی مُبارک صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل تھا۔

اس جگہ یہ بات یاد رکھنا کہ صَحَابِی کہتے ہیں صحبت پانے والے کو جن خوش قسمت لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہو۔ خواہ زندگی میں ایک بار ہی ہوئی ہو۔ اُنہیں صحابی کہتے ہیں۔ جس کی جمع اصحاب اور صحابہ دونوں طرح استعمال ہوتی ہے۔ مگر یہ لفظ اُن زیارت کرنے والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جنہوں نے بحالت اسلام و ایمان یہ شرف

حاصل کیا ہو۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اصحابِ کرام جب آپس میں ملتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کثرت سے کیا کرتے۔

اور صحابہ کا عام دستور تھا کہ وہ چھوٹے بڑے سب لوگوں کو بلا بلا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں خاص طور سے سنایا کرتے تھے اور علی العموم ان کی گفتگو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کے تذکرہ پر ہی مشتمل ہوتی تھی۔

اسی طرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے اور ملنے والوں کا بھی یہی دستور تھا جنہیں تابعین کہا جاتا ہے۔ پھر تابعین کو دیکھنے اور ملنے والے بھی اسی طرح اپنے باپ دادوں سے سنی ہوئی باتوں کا آپس میں تذکرہ کرتے رہتے۔ انہیں تبع تابعین کہتے ہیں۔

ملک عرب کے لوگوں کا حافظہ بہت مضبوط ہوتا تھا اس لئے جو بات بھی وہ سنتے تھے اسے لفظ بلفظ اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔ تابعین کے زمانہ میں لوگوں کو حدیثیں یک جا جمع کرنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور تبع تابعین یعنی صحابۂ کرامؓ کے پوتوں کے زمانہ میں ایک بزرگ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے حدیثوں کی سب سے پہلی کتاب مُوَطّا نام مرتب فرمائی۔ اس کے بعد پھر حدیثوں کو کتاب کی شکل دینے کا عام رواج ہو گیا اور کئی بزرگوں نے بہت محنت و مشقت اور دور دراز کے پیدل سفر کر کے حدیثیں حاصل کیں۔ اور انہیں اپنی کتابوں میں جمع کیا۔ سب سے مستند اور اعلیٰ پایہ صحیح بخاری شریف کا مانا گیا ہے۔ دوسرے درجہ پر صحیح مسلم اور پھر دیگر کُتب ہیں۔ جیسے ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ ترمذی اور نسائی۔ ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں۔ صحاح ستہ کے علاوہ اور بھی حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں جیسے دار قطنی۔ بیہقی۔ مسند احمد۔ کنز العمال وغیرہ وغیرہ ۔

حدیث کا درجہ

حدیث ہمارے لئے تیسرے درجہ پر ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اور یہ قرآن مجید اور سنّت نبوی کے لئے بطور ایک تائیدی گواہ کے ہے جو حدیث قرآن مجید یا سنّت نبویہ کے خلاف ہو وہ پھینک دینے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ وہ کسی صورت میں بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی فرمائی ہوئی بات نہیں ہوسکتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی قول قرآن مجید اور اپنے فعل یعنی سنّت کے خلاف نہیں۔ آپؐ کے تمام اقوال وافعال قرآن شریف کی تشریح وتفسیر ہیں۔ پس حدیث اور سنّت قرآن مجید کے مؤیّد ہیں اور ہمیں ان دونوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ان میں سے کسی ایک کو چھوڑنا گویا اسلام کا ایک عضو کاٹ دینا ہے۔ ہم احمدیوں کو اس زمانہ کے امام مُرسل ربانی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ "بہر حال احادیث کی قدر کرو اور اُن سے فائدہ اُٹھاؤ۔ کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اور جب تک قرآن اور سنّت اُن کی تکذیب نہ کریں تم بھی اُن کی تکذیب نہ کرو۔ بلکہ چاہئے کہ احادیث نبویّہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو۔ اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل کرو۔ اور نہ ترکِ فعل۔ مگر اس کی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو"!

حدیثِ نبیؐ

مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِأَخِيْهِ فَقَدْ وَقَعَ فِيْهِ

سناؤں تمہیں اِک حدیث نبی اِسے یاد رکھو نہ بھولو کبھی

یہ اُس پاک انسان کا ارشاد ہے — تمام انبیاءؑ کا جو اُستاد ہے
رسولوں میں جس کی بڑی شان ہے — ثنا خواں خود جس کا رحمان ہے
یہ فرماتے ہیں احمد مجتبےٰ — خدا کے نبی سرورِ انبیاء
گنواں کھودتا ہے جو اس واسطے — کہ اس میں کوئی اس کا بھائی گرے
تو خود پہلے گرتا ہے اُس میں وہی — سزا پاتا ہے اپنے کردار کی
بھلائی اِسی میں ہے اے نیک خُو — نہ ہو اپنے بھائی کا بد خواہ تُو
جہاں تک بنے تجھ سے نیکی کما — ہمیشہ تُو کر دُوسروں کا بھلا
ہر شخص کو اپنا بھائی سمجھ — نہ آپس میں ہرگز جدائی سمجھ

(حافظ)

اربعین

یعنی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چالیس حدیثیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث تو لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور وہ علم اور معرفت کا ایسا وسیع سمندر ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزانہ چھ سات گھنٹے بلاناغہ پڑھتا رہے۔ پھر بھی اُن سب کے مطالعہ کے لئے کم و بیش دس پندرہ برس درکار ہیں۔ ہم اس جگہ اس وسیع خزانے میں سے تمہیں صرف چند جواہر ریزے دیتے ہیں۔ انہیں اپنے ذہن میں محفوظ کر لو۔ اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔

(۱) جو امانت و دیانت کو اپنا شعار نہیں بناتا وہ مومن کہلانے کا مستحق نہیں اور جو اپنے عہد کا پاس نہیں کرتا اس کا کوئی دین و مذہب نہیں۔

(۲) وہ آدمی جھوٹا ہے جو ہر سُنی سنائی بات بغیر تحقیق بیان کرتا پھرے۔

(۳) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے فرض ہے لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک آخرت میں سب سے بُرا آدمی وہ ہوگا جس کے علم سے کسی کو کچھ فائدہ نہ پہنچا ہو۔

(۴) خدا تعالیٰ کو وہ نیک کام بہت پسند ہیں جنہیں بلا ناغہ ہمیشہ کیا جائے۔ خواہ تھوڑے ہی ہوں۔

(۵) انسانی زندگی بالکل بے ثبات ہے۔ صبح سے شام اور شام سے صبح تک کا اعتبار نہیں۔ عقلمند وہ ہے جو تندرستی میں بیماری کے لئے۔ اور زندگی میں موت کے لئے بہت سے نیک اعمال بطور زاد راہ جمع کرے۔

(۶) اپنی تندرستی میں ایک حصہ خیرات بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے جو بیماری میں موت کے نزدیک سو حصہ دے۔

(۷) آخرت کی جاودانی خوشی مکار فریبی۔ کنجوس اور احسان جتانے والے کو نہ ملیگی۔

(۸) جس کو آخرت میں نجات پانے کی خواہش ہو اُسے چاہئے کہ مفلس و غریب سے قرض کا تقاضا کرنے میں سختی سے کام نہ لے بہتر یہ ہے کہ اس کا قرض معاف کردے۔

(۹) بُرائی سے بُرائی دُور نہیں ہوسکتی لیکن بھلائی سے بُرائی دُور ہوسکتی ہے۔

(۱۰) بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کر۔ یعنی بھوک ہونے پر کسی جگہ یہ نہ کہو کہ مجھے بھوک نہیں۔

(۱۱) مجلس میں کسی کو اُٹھا کر اُس کی جگہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ کُھل کر بیٹھو تاکہ اُٹھانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔

(۱۲) جب تم اپنے بھائی کی وہ بُرائی بیان کرو جو اُس میں ہو تو یہ غیبت ہے (خواہ اُس کے سامنے بیان کرو یا اس کے پیچھے۔) اور اگر وہ بُرائی بیان کرو۔ جو اس میں نہیں ہے تو یہ بہتان ہے۔ دونوں خدا تعالےٰ کی ناراضگی کا موجب ہیں

ان سے بچتے رہو۔

(۱۳) ہلاکت ہے اُس کے لئے جو دوسروں کو ہنسانے کیلئے جھوٹ بولتا ہے۔

(۱۴) سچ بات کہہ خواہ کسی کو کیسی ہی بُری یا کڑوی معلوم ہو۔

(۱۵) سب لوگوں میں بدترین شخص وہ ہے جو چغلی کرکے دوستوں میں جدائی ڈالے۔

(۱۶) مشورہ حاصل کرنے کے لئے معتمد آدمی ڈھونڈو۔

(۱۷) نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت پکڑے۔

(۱۸) اچھا آدمی وہ ہے وہ فضول باتیں کرنا چھوڑ دے۔

(۱۹) خدا تعالےٰ نرمی کرتا ہے اور نرمی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

(۲۰) جو رحم نہیں کرتا اس پر خدا بھی رحم نہیں کرے گا۔

(۲۱) ہمیشہ سچ بولنے والوں۔ اپنے وعدوں کو پورا کرنے والوں اور امانت میں خیانت نہ کرنے والوں کی نجات کا میں ذمہ لیتا ہوں۔

(۲۲) بدظنی اور بدگمانی سے بچو کہ یہ بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے۔

(۲۳) اللہ پاک ہے پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔

(۲۴) ہر مسلمان پر روزانہ صدقہ واجب ہے۔ اگر نادار ہو تو محنت مزدوری سے گزران کرے اور جو بچے اُسے صدقہ کرے۔ ورنہ اپاہج محتاج کی امداد کرے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو نیک کام کی ہدایت کرے۔ بُرائی سے بچے۔ یہ بھی صدقہ میں داخل ہے۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا اٹھانا۔ کسی ضرورت مند کی ضرورت کا پورا کرنا۔ اگر سائل کو کچھ نہ دے سکے تو اسے خندہ پیشانی سے پیش آنا یہ سب صدقہ میں داخل ہے۔

(۲۵) موت جو لذتوں کو مٹانے والی ہے اسے یاد رکھو۔

(۲۶) جو آدمی کسی کا قرض ادا نہیں کرتا اس کا یہ گناہ نہیں بخشا جاتا۔

(۲۷) قرآن مجید کا بہت پڑھنا اور موت کو یاد رکھنا دل کو منور کرتا ہے۔

(۲۸) بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن مجید کو سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔

(۲۹) جو شخص دُعا میں لگا نہیں رہتا خدا اُس پر ناراض ہو جاتا ہے۔

(۳۰) دُعا تقدیر کو پھیرتی اور عمر کو بڑھاتی ہے۔

(۳۱) بہت جلد قبول ہونے والی وہ دُعا ہے جو غائب کے واسطے کرتا ہے اس لئے کہ اس میں خلوص ہوتا ہے۔

(۳۲) اللہ تعالےٰ دُعا کرنے والے کی دُعا کو تین طرح سے قبول فرماتا ہے۔ اس کا مطلوبہ مقصد جلد پورا کر دیتا ہے (۲) اُس کی دُعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا دیتا ہے۔ (۳) اُس کی اتنی ہی بُرائیاں یا تکلیفیں دور کر دیتا ہے جتنی اُس نے دُعا میں اپنے نفع کے لئے خواہش کی تھی۔

(۳۳) جب بندہ خدا سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے بندے کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اس قدر خوش کہ جتنا تم میں سے وہ شخص بھی نہ ہوگا جو اپنی اونٹنی پر ایک لق و دق میدان میں سفر کر رہا ہو۔ اور اتفاقاً اُس کی اُونٹنی کھو جائے اور اس کا کھانا اور پانی بھی اُس اونٹنی پر ہو۔ اور وہ اُس کو تلاش کر کے آخر مایوس ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ جائے۔ جب بیدار ہو تو دفعتہً اُس کی نظر اپنے سرہانے اپنی گم شدہ اونٹنی پر پڑے۔ جتنی خوشی اس وقت اُس شخص کو ہوگی اس سے بہت زیادہ خوشی اللہ تعالےٰ کو توبہ کرنے والے شخص پر ہوتی ہے۔

(۳۴) جب تم پر کوئی شخص احسان کرے تو تم اُسے یہ الفاظ کہا کرو جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا کہ خدا تعالےٰ تجھے بہت اچھی جزا عطا فرمائے۔

(۳۵) کھانا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔

(۳۶) زیادہ کھانا بے برکتی کا سبب ہے۔

(۳۷) پانی پیتے وقت تین سانس لیا کرو اس طرح کا پینا صحت بخش ہے

اور پانی جلد ہضم ہوتا ہے۔

(۳۸) ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ کے گھر ایک بکری ذبح کی گئی۔ انہوں نے بہت سا گوشت غریبوں کو دے دیا۔ صرف ایک شانہ اپنے لئے رکھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کچھ گوشت باقی ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں حضور۔ ساری بکری خیرات کر دی ہے صرف اس کا ایک شانہ باقی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ یقین جانو کہ ساری بکری باقی ہے سوائے اس شانہ کے۔

(۳۹) تنہائی۔ برے ہمنشین سے بہتر ہے۔ اور نیک و صالح ہمنشین کے پاس بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے۔

(۴۰) دو کلمے ایسے ہیں جن کا زبان سے پڑھنا آسان ہے اور وہ خدا تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں۔ اور اُن کا میزان یعنی ثواب بہت ملتا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔

حقیقتِ اسلام

تمہارا دین اسلام ہے۔ اسلام کے معنی ہیں خدا کے آگے گردن رکھ دینا۔ جس طرح ایک بکرا ذبح کرنے کی خاطر منہ کے بل لٹایا جاتا ہے۔ اسی طرح تم بھی خدا کے احکام کی بجاآوری میں بیچون وچرا گردن رکھ دو۔

جب تک کامل طور سے تم اپنے ارادوں سے خالی اور نفسانی ہوا و ہوس سے پاک نہ ہو جاؤ گے۔ تب تک تمہارا اسلام اسلام نہیں ہے۔ پس تم خدا کے سامنے اپنے آپ کو درست کر لو اور اس کے فرائض کی بجاآوری میں کمی نہ کرو۔ خَلقُ اللّٰہ سے کبھی خیانت۔ ظلم۔ بد خلقی۔ ترش روئی۔ ایذا دہی سے پیش نہ آؤ۔

کسی کی حق تلفی نہ کرو۔ کیونکہ ایسی چیزوں کے بدلہ میں بھی خدا مواخذہ کریگا۔
(ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ہمارا مذہب

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خُدامِ ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمدؐ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قُربان ہے
دے چکے دِل۔ اب تنِ خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو! تمہیں خوفِ عتاب
(از حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ہمارا موٹو

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

کلمہ کے معنے کی طرف غور کرو۔ انسان زبان سے اقرار کرتا ہے اور دِل سے تصدیق کرتا ہے کہ میرا معبود بجز خدا کے اور کوئی نہیں۔ اِلٰہ ایک عربی لفظ ہے اور اس کے معنے معبود اور محبوب اور اصل مقصود کے ہیں۔ یہ کلمہ قرآن شریف کا خلاصہ ہے جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے۔ اکثر لمبی کتابوں کو یاد کرنا ہر ایک کے واسطے مشکل ہے۔ اللہ تعالےٰ حکیم ہے۔ اُس نے ایک مختصر سا کلمہ سُنا دیا"

(تقریر کلمہ طیبہ از حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

متقی

مجید۔ مولوی صاحب! آج میرے ابّا جان قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ ایک آیت پر انگلی رکھ کر میں نے اُن سے پوچھا۔ اس کے کیا معنے ہیں۔ اُنہوں نے بتایا۔ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ متقیوں سے بہت محبت رکھتا ہے اور اُن سے بہت پیار کرتا ہے۔

ابّا جان فرماتے تھے کہ اپنے مولوی صاحب سے پوچھنا کہ متقی کسے کہتے ہیں وہ تمہیں اچھی طرح سمجھا دینگے۔ اب آپ فرمایئے کہ متقی کسے کہتے ہیں اور اُس کی کیا نشانیاں ہیں؟

مولوی صاحب۔ مجید میاں! تم نے بہت اہم سوال کیا ہے۔ لو اُس کا جواب خوب غور سے سنو۔ متقی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنے ہیں "خدا تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے والا آدمی" تقویٰ کے معنے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ناراض ہونے سے ڈرنا اور ہر قسم کے گناہوں سے بچتے رہنا۔

وہ لوگ جو نیکی بدی کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں ہر بات میں شریعت کے حکموں پر چلنے کے لئے آمادہ رہیں۔ حیلوں بہانوں کے ساتھ خدا تعالےٰ کے حکموں اور اس کے رسولوں اور خلیفوں کے احکام کو ٹالنے کی کوشش نہ کریں۔ متقی کہلاتے ہیں۔ متقی یعنی تقویٰ کرنے والے انسان باریک سے باریک بدی سے بچتے اور چھوٹی سے چھوٹی نیکیوں کا علم حاصل کرکے اُن پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ متقی کا یہ کام نہیں ہے کہ اگر اس کا دل جانتا ہے کہ کوئی کام دیانت وامانت یا پاکیزگی و طہارت کے خلاف ہے تو وہ دین کے عالموں اور مفتیوں سے کسی رنگ میں اُس کے جائز ہونے کا فتویٰ

لے کر اُس کی آڑ میں وہ کام کرے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ انسان کے دل کی باتوں کو جانتا ہے اور اُس کی نیت سے اچھی طرح واقف ہے اور وہ باوجود کسی کام کے جائز ہونے کا فتویٰ مل جانے کے انسان کی نیت اور ارادے کے مطابق ضرور مؤاخذہ کریگا۔

پس متقی اس مومن کو کہتے ہیں جو چھوٹی سے چھوٹی بدیوں سے بچے اور چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو اختیار کرے۔ اور ہمیشہ نیکیوں کی تاک میں لگا رہے۔ پوری پوری کوشش کے ساتھ ہر قسم کی نیکیوں کا علم حاصل کرے اور پھر اُن پر کاربند ہو اگر تم نیکیوں کا علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کتابیں خصوصاً کشتیٔ نوح اور حضرت امیر المومنین خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی کتابیں "عرفانِ الٰہی" اور "منہاج الطالبین" اور ہر جمعہ کے خطبے غور سے پڑھا کرو اور خدا سے دُعا کیا کرو کہ وہ تمہیں کامل متقی بننے کی توفیق بخشے۔

مومن

بشیر۔ مولوی صاحب! ایک روز آپ نے امین و دیانت دار کے معنی بتائے تھے جو مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ آج مہربانی فرما کر **مومن** کے معنے بتا دیجئے۔

مولوی صاحب۔ بیٹا بشیر! مومن کہتے ہیں خدا کے سب حکموں پر ایمان رکھنے اور اُن پر عمل کرنے والے کو۔

جو شخص اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اور خلیفوں کے حکموں کے آگے بالکل چُون و چرا نہ کرے۔ ان کے چھوٹے سے چھوٹے حکم کو قدر کی نگاہ سے دیکھے اور اُن پر عمل کرنا ضروری سمجھے اور اپنی پُوری کوشش سے ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا رہے اُسے مومن کہتے ہیں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

کسی نے پوچھا تھا کہ حضور میں اپنے آپ کو مومن کب سمجھوں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تیری نیکی تجھے اچھی اور بھلی معلوم ہو۔ یعنی نیک کاموں کو تو بہت خوشی اور رغبت کے ساتھ کرے۔ اور تیری بدی تجھے بُری معلوم ہو یعنی بُرا اور گناہ کا کام کر کے تجھے تکلیف محسوس ہو تب تو مومن ہو گا۔

پس یاد رکھو! جب تم خدا اور اُس کے رسول اور امام وقت کے حکموں پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ اور جو کام بھی اُن کے ارشاد کے موافق بجا لاؤ وہ تمہاری خوشی کا موجب ہو۔ اور جب تم سے اُن کے حکموں کے برخلاف کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو تمہیں شرمندگی اور ندامت ہو۔ اور تمہیں اپنی حرکت دل سے بُری لگے۔ تو اُس وقت تم مومن کہلاؤ گے۔

ہمیشہ خدا سے دُعا کرتے رہا کرو کہ وہ اپنے فضل و کرم سے تمہیں کامل مومن بننے کی توفیق بخشے + (آمین)

مُنافق

نصیر - اپنے اُستاد سے۔

مولوی صاحب! منافق کسے کہتے ہیں؟ اور اُس کی نشانیاں کیا ہیں؟

مولوی صاحب - بیٹا نصیر! قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں مسلمان ظاہر کریں۔ لیکن اسلام کے حکموں پر پوری طرح عمل کرنے سے گریز کریں اور دین کے کاموں میں سُستی دکھائیں اور خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول یا اس کے نائبوں کے احکام کو معمولی سمجھیں۔ اور اُن پر عمل کرنا دوبھر سمجھیں۔ تم نے منافق کی نشانیاں پوچھی ہیں۔ میں تمہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نشانیاں سُناتا ہوں۔

حدیث شریف میں لکھا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی چار نشانیاں ہیں۔ اگر تم نے معلوم کرنا ہو کہ کونسا پکا مومن ہے اور کونسا منافق۔ تو یہ معلوم کرو کہ آیا اس میں ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی پائی جاتی ہے کہ نہیں اگر کسی شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جاتی ہو تو یوں سمجھ لینا کہ اس میں منافقت کی ایک نشانی ہے اور اگر کسی میں دو ہوئیں تو اُسے بھی دو نشانیوں والا منافق سمجھنا۔ اور جس میں پوری چار ہوں اُسے پکا منافق سمجھنا۔ منافقوں کو اللہ تعالٰے نے کافروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ منافق لوگ آگ کے سب سے نچلے حصے میں رہینگے اور جہنم میں بدترین جگہ پر انہیں اتارا جائیگا۔ وہ چار نشانیاں جن سے منافق شناخت کیا جا سکتا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی ہیں۔ پہلا وہ آدمی جس کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ دوسرا وہ شخص کہ جو جھوٹ بولے۔ تیسرا وہ شخص کہ جو وعدہ کو پورا نہ کرے۔ چوتھا وہ شخص کہ جو غصہ یا لڑائی میں گالیاں بکے۔ جب تک کسی شخص میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک بھی موجود ہوگی۔ وہ منافق رہیگا۔

نصیر۔ مولوی صاحب! اگر کوئی آدمی نماز پڑھے اور روزے رکھے۔ لیکن وہ بات کرتے وقت جھوٹ بولے اور وعدہ کر کے پھر اُسے پورا نہ کرے۔ یا امانت میں خیانت کرے یا گالیاں بکے۔ تو کیا وہ بھی منافق ہی سمجھا جائے گا؟

مولوی صاحب۔ ہاں بیٹا! جب تک وہ اپنی ان بری خصلتوں کو نہ چھوڑیگا منافق ہی سمجھا جائیگا اور خدا تعالیٰ کے حضور اس کی نماز اور اس کے روزوں کی کچھ قدر نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو کہ وہ تمہیں پکا مسلمان بننے کی توفیق بخشے اور تم میں کوئی منافقت کی نشانی پیدا نہ ہو۔

دیانت و امانت

بشیر — اپنے اُستاد سے ۔

مولوی صاحب! کل آپ نصیر سے کہہ رہے تھے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص امین و دیانتدار نہ ہو۔ اور اپنے وعدوں کو پابندی کے ساتھ پُورا نہ کرے وہ کامل مومن نہیں۔"

یہ تو فرمائیے کہ امانت اور دیانت کسے کہتے ہیں اور "مومن" کے کیا معنی ہیں ؟

مولوی صاحب۔ بشیر! تم بہت سمجھ دار ہو۔ دیکھو بیٹا! بہت سمجھ دار وہی ہوتا ہے۔ جو سمجھ میں نہ آنے والی ہر بات کو اپنے اُستادوں اور بزرگوں سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس جب بھی تمہیں کوئی بات سمجھ نہ آیا کرے۔ تو اُسے اپنے کسی بزرگ یا اُستاد سے ضرور پُوچھ لیا کرو۔ اس طرح انشاءاللہ تعالےٰ تم بہت لائق ہو جاؤ گے۔

تم نے امانت و دیانت کے معنے پوچھے ہیں۔ لو دھیان سے سُنو۔

یہ عربی زبان کے لفظ ہیں۔ ان کا مطلب بہت وسیع ہے۔ لیکن مختصر طور سے یوں سمجھو کہ دوسرے کی چیز پر شرارت سے قبضہ کرکے۔ اُس کو دُکھ پہنچانے پر راضی نہ ہونے کا نام دیانت و امانت ہے۔

بشیر۔ مولوی صاحب! مجھے مثال دے کر سمجھائیے کہ دیانت و امانت کا وسیع مطلب کیا ہے ؟

مولوی صاحب۔ میاں بشیر! امانت و دیانت کی مثال اِس طرح سمجھ لو کہ کوئی شخص اپنا آموں کا ٹوکرا تمہیں یہ کہہ کر دے جائے کہ بھائی! اسے ذرا دیکھنا۔

میں ابھی آکر لے جاؤنگا۔ اُس کے چلے جانے پر تم یہ خیال کر کے کہ بھرا ہوا ٹوکرا ہے دو چار آم نکال لیں۔ تو اسے کیا پتہ لگیگا۔ کچھ آم نکال لو۔ اِسی طرح نصیر بازار سے جو آم لایا ہو۔ اُس میں سے اگر کچھ خراب نکلیں۔ اور وہ اپنے خراب آموں کو ٹوکرے میں رکھ کر اچھے آم نکال لے۔ اس صورت میں تم دونو کو بد دیانت سمجھا جائیگا۔ لیکن اگر دونو ٹوکرے کو حفاظت سے رکھو اور جب اُس کا مالک آئے اُسے جُوں کا تُوں واپس کر دو تو تمہیں امین اور دیانتدار سمجھا جائیگا۔

بشیر۔ مولوی صاحب! یہ تو ایک معنوں کی مثال ہوئی۔ آپ نے تو فرمایا تھا کہ اس لفظ کا بہت وسیع مطلب ہے۔ اس لئے کچھ اور بھی تو فرمائیے۔

مولوی صاحب۔ سنو میاں بشیر۔ بد دیانتی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ کسی کی چیز چُرانا۔ اجازت بغیر گھر سے چیز اُٹھا لینا۔ کھیلوں میں ساتھیوں کو دھوکا دینا۔ قرض لے کر ادا نہ کرنا۔ اپنے فرض کی ادائیگی میں سُستی کرنا۔ چیز خرید کر قیمت ادا نہ کرنا۔ کم تولنا۔ اچھی چیز کے بدلے بُری چیز دیدینا۔ خراب چیزیں بیچنا۔ کسی کی کتاب یا کوئی چیز مستعار لے کر واپس نہ کرنا یا اگر واپس بھی کی تو میلی کچیلی خراب کر کے۔ کسی کے بھید کو دوسرے پر ظاہر کر دینا ملازمت میں وقت کو بے فائدہ ضائع کرنا۔ اُستاد کی نگاہ بچا کر پڑھائی سے جی چُرانا۔ دُوسروں کے خیالات کو اپنا ظاہر کرنا وغیرہ وغیرہ سب اُمور بد دیانتی میں داخل ہیں۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھو کہ قرآن مجید اور خدا تعالیٰ کے رسُولوں کا پیغام اور اُن کے خلیفوں کے احکام بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہمارے پاس امانتیں ہیں جو شخص قرآن شریف اور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلیفوں کے حکموں کو ٹال دیتا ہے۔ اور اُن کو عزت اور قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور

اُن پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش نہیں کرتا۔ وہ بھی امین و دیانتدار کہلانے کا مستحق نہیں ؛

مفید ترین زندگی

مَیں اس وقت انسانی زندگی کے مسئلہ پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ یعنی یہ کہ دُنیا میں امکانی طور پر کس کس رنگ میں انسان زندگی گذار سکتا ہے۔ اور زندگی کی وہ کونسی قسم ہے جو مفید ہونے کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اپنی غرض و غایت کے لحاظ سے انسانی زندگی مندرجہ ذیل اقسام میں منقسم ہے :-

(۱) وہ زندگی جو انسان اپنی ذات کے لئے گذارتا ہے۔

(۲) وہ زندگی جو انسان اپنے اہل وعیال کے لئے گذارتا ہے۔

(۳) وہ زندگی جو انسان اپنے خاندان کے لئے گذارتا ہے۔

(۴) وہ زندگی جو انسان اپنی قوم کے لئے گذارتا ہے۔

(۵) وہ زندگی جو انسان اپنے ملک کے لئے گذارتا ہے۔

(۶) وہ زندگی جو انسان بنی نوع انسان کے لئے گذارتا ہے۔

(۷) وہ زندگی جو انسان کل مخلوقات عالم کے لئے گذارتا ہے۔

(۸) وہ زندگی جو انسان خدا کے لئے گذارتا ہے۔

زندگی کی یہ تقسیم محض خیالی یا علمی تقسیم نہیں ہے۔ بلکہ حقیقتاً دنیا میں انسانی زندگی انہیں اقسام میں منقسم پائی جاتی ہے۔ اور کوئی انسان ایسا نہیں۔ جس کی زندگی ان اقسام سے باہر بھی جا سکے۔ گو یہ ممکن ہے کہ انہیں اقسام کو کوئی شخص کسی دوسرے نام کے ساتھ پیش کرے۔ مگر یہ ایک محض اصطلاحی فرق ہوگا۔

ورنہ حقیقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اب جب ہم ان اقسام پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نقشہ بالا میں زندگی کی اقسام (سوائے قسم ۲ و ۳ کے جو بعض صورتوں میں ایک دوسرے کے مقابل پر کم یا زیادہ وسیع ہوجاتی ہیں) ایک طبعی ترتیب میں مرتب ہیں۔ یعنی پہلی قسم کی زندگی کی غرض و غایت کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔ دوسری قسم میں یہ دائرہ پہلی قسم کی نسبت کسی قدر زیادہ وسیع ہے۔ تیسری میں اور زیادہ وسیع ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس حتیٰ کہ آخری قسم میں یہ دائرہ اس قدر زیادہ وسیع ہوجاتا ہے کہ اس سے زیادہ وسعت ممکن نہیں رہتی۔ غور کرنے سے ایک اور بات ظاہر ہوگی اور وہ یہ کہ اس نقشہ میں زندگی کی ہر نچلی قسم کا دائرہ اپنے سے اوپر والی قسم کے دائرہ کا حصہ ہے یعنی قسم اوّل سے ابتداء کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ قسم دوم میں قسم اوّل شامل ہے۔ اور قسم سوم میں اوّل اور دوم دونوں شامل ہیں۔ اور قسم چہارم میں اول اور دوم اور سوم تینوں شامل ہیں۔ حتیٰ کہ آخری قسم میں نیچے کی ساری اقسام شامل ہیں۔ یعنی جو انسان خدا کے لئے زندگی گذارتا ہے ضروری ہے کہ اس کی زندگی عملاً نہ صرف خدا کے لئے بلکہ کل مخلوقات عالم کے لئے اور بنی نوع آدم کے لئے اور ملک و قوم کے لئے اور خاندان و اہل و عیال کے لئے اور بالآخر خود اس کی ذات کے لئے وقف ہو۔ کیونکہ خدا کے لئے زندگی گذارنے کے مفہوم میں جملہ اقسام کی زندگی کی غرض و غایت شامل ہے۔ مگر اس کے اُلٹ نہیں یعنی قسم اوّل میں قسم دوم شامل نہیں۔ اور قسم دوم میں قسم سوم شامل نہیں و ھلم جرا۔

ایک دوسری جہت سے نقشہ بالا پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ پہلی تین قسم کی زندگیاں دراصل حیوانی زندگی کی قسمیں ہیں۔ کیونکہ ان میں حیوانی

خاصہ کے مطابق یا تو صرف اپنی ذات کی ضروریات پوری کرنے تک زندگی کا مقصد محدود رہتا ہے۔ اور یا اپنے قریب یا دور کے رشتہ داروں تک پہنچ کر زندگی کی غرض وغایت ختم ہو جاتی ہے۔ پس ان تینوں قسموں میں سے خواہ انسان کسی قسم میں داخل ہو وہ حیوانی درجہ سے اوپر نہیں نہیں نکلتا۔ دراصل حیوانوں میں بھی مدارج ہیں۔ سب سے ادنیٰ قسم حیوانوں میں وہ ہے جن کی زندگی کی غرض وغایت عملاً صرف انہی کی ذات تک محدود ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی اہلی زندگی ہوتی ہے۔ ان سے اوپر وہ حیوان ہیں جو اپنا ایک گھر بنا کر رہتے ہیں۔ اور ان کی زندگی کی کشمکش خود ان کی ذات تک محدود نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا دائرہ ان کے اہل وعیال یعنے بیوی بچوں وغیرہ تک وسیع ہوتا ہے۔ مگر اس حلقہ سے باہر ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بیشتر حیوان اسی قسم میں داخل ہیں لیکن حیوانوں کی ایک قسم ایسی ہے جو اس سے اوپر کا درجہ رکھتی ہے۔ اس قسم کے حیوانات خاندانوں اور قبائل کی صورت میں اکٹھے رہتے ہیں۔ اور بسا اوقات ایک دوسرے کی خاطر قربانی کرتے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا طریق اختیار کرتے ہیں۔ یہ قسم حیوانوں کی سب سے ترقی یافتہ قسم ہے چنانچہ چیونٹی اور شہد کی مکھی وغیرہ اسی قسم میں داخل ہیں۔

ان تین قسموں سے اوپر حیوانی زندگی کا دائرہ ختم ہو کر انسانی زندگی کا دائرہ شروع ہوتا ہے اور گو شاذ کے طور پر بعض حیوانات میں قومی یا ملکی یا نوعی زندگی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ مگر حقیقتاً یہ دائرہ حیوانی زندگی سے بالا ہے۔ لیکن جس طرح حیوانی زندگی کے مختلف درجے اور طبقے ہیں۔ اسی طرح انسانی زندگی کے بھی مختلف درجے ہیں۔ یعنی کوئی انسان اپنی زندگی کی غرض وغایت

کے لحاظ سے اپنے قومی دائرہ کے اندر محدود ہوتا ہے۔ اور اس سے باہر اس کی ہمدردی اور اس کی قربانی اور اس کا تعاون نہیں جاتے۔ اور کوئی انسان قوم کی قیود سے نکل کر ملکی حدود تک اپنی ہمدردی اور قربانی اور تعاون کو وسیع کر دیتا ہے۔ اور کوئی اس سے بھی آگے نکل کر کل بنی نوع انسان کی خدمت کو اپنا نصب العین بنا تا ہے۔ اور قومی یا ملکی حدود اس کے رستے میں حائل نہیں ہوتیں۔ اور پھر بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی زندگیوں کو جمیع مخلوقات عالم کی خدمت کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ یہ سب مختلف طبقے انسانی زندگی کے ہیں۔ اور جوں جوں انسان کی نظر بلند ہوتی جاتی ہے۔ توں توں وہ اپنی زندگی کے مقصد اور غرض وغایت کو وسیع کرتا چلا جاتا ہے۔ مگر اس سے بھی اُوپر ایک اور درجہ ہے۔ جو دراصل ملکی (یعنے فرشتوں کی) زندگی کی غرض وغایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ درجہ خدا کی خاطر زندگی گذارنے کے ساتھ وابستہ ہے۔ خُدا چونکہ ایک غیر مادی ہستی ہے۔ اور فرشتے بھی عالم ارواح کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے حقیقتاً زندگی کی یہ قسم فرشتوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔ گویا زندگی کے مدارج کا آغاز حیوانیت سے ہوکر بالآخر مَلکیت پر جاکر ختم ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان انسان ہے جو دراصل حیوان اور مَلک کے بین بین ایک معتدل ہستی ہے۔ ایک طرف انسان حیوانی جنس کے ساتھ ملتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کے ساتھ ملائک کا جوڑ ہے۔ قدرت نے اسے ایسا بنایا ہے کہ وہ اپنے دونوں ہمسایوں کی زندگی کے دائرہ میں داخل ہوسکتا ہے کیونکہ اس کی فطرت میں حیوانی اور ملکی دونوں قسم کے خمیر ودیعت کئے گئے ہیں۔ بالمقابل حیوانوں یا فرشتوں کے جو اپنے اپنے حلقہ کے اندر بالکل محصور ہیں اور اس سے باہر نکلنے کی

طاقت نہیں رکھتے۔ اس لئے انسان کا مرتبہ اپنی فطری طاقتوں کی وجہ سے فرشتوں سے بھی بالا کھا گیا ہے۔ کیونکہ جہاں فرشتے اپنی ملکیت میں بطور ایک قیدی کے محصور ہیں۔ وہاں جب انسان ملکیت کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ خود اپنی امداد سے ملکیت کے مقام کو اپنے لئے پسند کرکے اور اسے بہتر سمجھ کر اس میں داخل ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک طرف اس کے لئے اوپر چڑھنے کا رستہ کھلا ہے۔ تو دوسری طرف اس کے واسطے نیچے گرنے کا بھی دروازہ بند نہیں ہے۔ اور اسی لئے جب انسان گرنے پر آتا ہے۔ تو وہ حیوانی زندگی کے بھی ادنےٰ ترین طبقہ تک جا پہنچتا ہے۔ چنانچہ بہت سے ایسے انسان نظر آئینگے جن کی زندگی کا مقصد سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہوتا کہ کھائیں اور پئیں اور اپنے نفس کی دوسری ضروریات کو پورا کریں۔ اور جب موت آئے تو مر جائیں۔ یہ ایک بدترین قسم کی حیوانی زندگی ہے مگر بہت سے انسان اس زندگی پر قانع نظر آتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو کسی دوسرے انسان یا کسی دوسری مخلوق یا کسی دوسری ہستی کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا۔ سوائے اس حد تک کے تعلق کے کہ وہ انہیں اپنے نفس کی ضروریات اور خواہشات کے پورا کرنے میں ممد و معاون بنائیں۔ ان کی تمام زندگی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملیگی کہ انہوں نے کبھی کسی دوسرے شخص کے لئے کوئی قربانی کی ہو۔ یا کسی دوسرے کے ساتھ خود اس کے مفاد کی خاطر تعاون سے کام لیا ہو۔ اور قسم دوم یا سوم کی زندگی گزارنے والے انسان تو بہت ہی کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ دنیا میں ۷۰ یا ۸۰ فی صدی لوگ انہیں حیوانی زندگیوں میں اپنی عمر بسر کرکے دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ اور انہیں کبھی بھی یہ توفیق نہیں ملتی کہ

حیوانی دائرہ سے خارج ہو کر انسانیت کے دائرہ میں قدم رکھیں. جو شخص زندگی کی پہلی تین قسموں میں محصور رہتے ہوئے اپنے آپ کو انسان سمجھتا ہے. وہ سخت غلطی خوردہ ہے۔ وہ کسی صورت میں ایک حیوان سے افضل نہیں. سوائے اس کے کہ دل ودماغ کی زیادہ طاقتیں رکھنے کی وجہ سے وہ دوسرے حیوانوں کی نسبت اپنی حیوانیت کو آرام میں رکھنے اور فربہ کرنے کی زیادہ تدبیر میں سوچ سکتا ہے۔ اور اس جہت سے اگر ایسے انسان کو حیوانوں سے بھی زیادہ گرا ہوا کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ الغرض انسانیت کا پہلا مرتبہ یہ ہے۔ (اور اس سے نیچے صرف حیوانیت ہی حیوانیت ہے) کہ انسان کی زندگی صرف اُس کے نفس کے لئے یا اس کے اہل وعیال کے لیئے یا اس کے خاندان اور قبیلہ کے لئے نہ ہو بلکہ اس کی وسیع قوم کے لیئے ہو۔ اور وہ اپنی ذاتی ضروریات اور اہل وعیال کی ضروریات اور خاندانی ضروریات کو قومی ضروریات کے مقابل پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہو اور اس کی زندگی کے حرکت وسکون سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ صرف اپنی قوم کی خاطر جی رہا ہے. مگر یہ درجہ انسانی زندگی کے سب درجوں میں سے ادنیٰ اور ابتدائی درجہ ہے۔ اور انسانیت کا سب سے اعلےٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو کل مخلوقاتِ عالم کے فائدے کے لئے گذارے یعنی نہ صرف ہر دوسرا خاندان اور ہر دوسری قوم اور ہر دُوسرا ملک اور ہر دوسرا انسان اس کی قربانی اور اُس کے تعاون سے حصّہ پا رہا ہو. بلکہ نوع انسانی کی حدود سے باہر نکل کر اس کی زندگی دُوسری مخلوقاتِ عالم کے لئے بھی برکت ورحمت کا موجب ہو رہی ہو۔ ایسا انسان مَلکیت کے درجہ کو خارج از بحث رکھتے ہوئے اپنی انسانیت میں کامل سمجھا جائیگا۔ اور جُوں جُوں اُس کی قُربانی اور اُس کا اخلاص

اور اُس کی خدمت ترقی کرتے جائینگے۔ اس کا کمال زیادہ روشن ہوتا چلا جائیگا۔

لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ انسانی فطرت میں یہ طاقت ودلیعت کی گئی ہے کہ وہ انسانیت کی مادی حدود سے نکل کر ملکیت کے دائرہ میں داخل ہو جائے۔ اس لئے وہ انسان جس کی نظر مخلوقاتِ عالم تک وسیع ہو کر رُک جاتی ہے کبھی بھی کامل انسان نہیں سمجھا سکتا۔ بلکہ کامل انسان وہ ہوگا جس کی نظر مخلوقات سے گذر کر خالق ہستی تک پہنچے۔ اور اپنے عبودیت کے مقام کو سمجھتے ہوئے اپنے خالق کی خدمت کو اپنا نصب العین بنائے۔

اور چونکہ خالق کی خدمت میں مخلوق کی خدمت طبعاً شامل ہے۔ اس لئے ایسے انسان کی زندگی خالق و مخلوق دونوں کے لئے وقف ہوگی اور یہی وہ اعلیٰ اور ارفع مقام ہے۔ جس پر انسانی زندگی کا سلوک ختم ہوتا ہے۔ ایسا شخص اپنے نفس کو بھی زندہ رکھتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی پالتا ہے۔ اور اپنے خاندان کی پرورش میں بھی حصہ لیتا ہے۔ مگر چونکہ وہ سب کچھ خدا کی خاطر سے کرتا ہے۔ اس لئے اس کی زندگی کا یہ حصہ بھی در اصل حیوانی نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ حقیقتاً ملکیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

یہ وہ مختلف درجے ہیں جن میں انسانی زندگی منقسم پائی جاتی ہے۔ اب ہر شخص خود سوچ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی زندگی کس قسم میں داخل ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اکثر لوگ اگر دیانتداری کے ساتھ اس معاملہ میں غور کریں تو ان کو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ان کی زندگی محض حیوانی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنی ذات یا اہل وعیال یا خاندان کی ضروریات کے پورا کرنے کے سوا اور کچھ نظر نہیں آئیگا اور اس دائرہ سے باہر ان کے جتنے تعلقات ہونگے ان کی بھی اصل غرض و غایت یہی ہوگی کہ وہ اپنی یا اپنے اہل وعیال یا اپنے خاندان کی ترقی اور آرام و آسائش کا سامان

ہوتا کریں۔ حقیقی معنوں میں انسانی زندگی بسر کرنے والے لوگ دُنیا میں تھوڑے ہوتے ہیں۔ تو پھر اُن لوگوں کی تعداد تو بہت ہی کم ہے جو ملکی دائرہ میں داخل ہو کر کامل انسان بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی پیدائش کی اصل غرض و غایت ہی یہی ہے کہ انسان خدا کے لئے زندگی گذارے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ یعنی ہم نے دُنیا میں انس اور جن کو صرف اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ہمارے عبد بن کر زندگی گذاریں۔ اس جگہ عبادت سے صرف نماز اور روزہ وغیرہ کی معین رسمی عبادت مراد نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس غرض سے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو خدا نے منشا کے ماتحت چلائے۔ اور ہر کام میں خواہ وہ دُنیا کا ہو۔ یا دین کا اس کے مدنظر خدا کی خوشنودی ہو۔ اور اس لئے خدا کی خاطر زندگی گذارنے میں حقوق العباد کی ادائیگی بھی شامل ہے کیونکہ جب کہ خدا نے دُنیا کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ اور اس کا منشاء ہے کہ ہر چیز اپنے مقررہ حلقہ کے اندر مفید طور پر زندگی بسر کرے تو لازماً اس کے عبد کا بھی یہی فرض ہو گا کہ وہ خدا کے منشاء کو پورا کرتے ہوئے خالق کی خدمت کے ساتھ ساتھ مخلوق کی خدمت کو بھی اپنا نصب العین بنائے۔

بس اے ہمارے عزیز بچو! آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی زندگیوں کا مطالعہ کریں اور ہمیشہ کرتے رہیں اور اس بات کو دیکھتے رہیں کہ آپ کس قسم کی زندگی گذار رہے ہیں۔ اگر آپ دیکھیں کہ آپ کی زندگی صرف کھانے پینے اور اپنے نفس کی ضروریات پوری کرنے تک محدود ہے یا یہ کہ آپ کی زندگی کی غرض و غایت اپنے رشتہ داروں اور خاندان سے باہر نہیں جاتی۔ اور آپ کے سارے کام اسی نیت کے ماتحت ہیں کہ ان سے آپ کی ذات کو یا آپ کے رشتہ داروں کو یا خاندان کو یا دوستوں کو (کیونکہ دوست بھی دراصل رشتہ داروں کے حکم میں ہیں) کوئی فائدہ پہنچ جائے۔ اور

آپ کی تعلیم بھی اسی غرض سے ہے کہ آپ مندرجہ بالا دائرہ کی ضروریات کو زیادہ بہتر صورت میں مہیا کر سکیں۔ تو پھر آپ یقین کریں کہ آپ کی زندگی دراصل ایک حیوانی قسم کی زندگی ہے۔ اور جس قدر جلد آپ اس زندگی کی لعنت سے نکل سکیں۔ اتنا ہی کم ہے۔

کم سے کم مقصد جو آپ کو ابتدا میں اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ آپ انسانی زندگی کے دائرہ میں داخل ہو جائیں۔ اور یہ نیت کر لیں کہ آپ کی زندگی صرف آپ کے نفس یا آپ کے خاندان کے لئے نہیں ہے بلکہ اپنی قوم اور جماعت کے لئے ہے۔ اور جو کام بھی آپ کریں۔ اس میں قوم اور جماعت کی خدمت کو اپنا نصب العین بنائیں۔ یہ وہ ادنےٰ ترین مقام ہے۔ جس سے آپ انسان کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ مگر جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ انسان کی پیدائش کی غرض و غایت اس سے بھی بہت بلند ہے۔

پس آپ لوگوں کی صرف یہ کوشش نہیں ہونی چاہیئے کہ حیوانیت کے مقام میں گرنے سے بچ جائیں کیونکہ تنزل میں پڑنے سے بچ جانا کوئی قابل تعریف خوبی نہیں ہے۔ بلکہ خوبی یہ ہے کہ انسان اوپر کی طرف چڑھے۔ اور میں اُمید کرتا ہوں کہ ہمارے بچے اپنا نصب العین اس ارفع مقام کو بنائینگے جس کی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کے ساتھ ہو۔ آمین +

(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے)

مسواک

تم پڑھ چکے ہو کہ رُوحانی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے جسم کو بہت صاف ستھرا رکھے۔

جسم کی صفائی میں سب سے ضروری دانتوں کی صفائی کا اہتمام کرنا ہے۔ عام

طور سے بہت سی بیماریاں دانتوں کی گندگی سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ جو لوگ کچھ کھا پی کر اپنے دانت اچھی طرح صاف نہیں کرتے۔ اُن کے دانتوں میں مختلف بیماریوں کے بہت چھوٹے چھوٹے خطرناک کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جنہیں صرف خوردبین کے ساتھ ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ کیڑے اندر جا کر انسان کو بیمار کر دیتے ہیں اور پھر وہ نہ دُنیا کا کام کر سکتا ہے اور نہ ہی دین کا۔ خود بھی تکلیف اُٹھاتا ہے اور دُوسروں کو بھی دُکھ میں مبتلا کرتا ہے۔ نیز جس کے دانت گندے ہوں۔ اور ان پر زرد زرد رنگ کی مَیل جمی ہوئی ہو۔ وہ خواہ کتنے ہی لائق یا عُمدہ لباس والا آدمی ہو۔ دیکھنے والے کو اس سے بہت کراہت معلوم ہوتی ہے اور اُس کے مُنہ سے ایسی بُری بدبُو آتی ہے کہ پاس پھٹکنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی طرح تم نے دیکھا ہوگا کہ کئی لوگ پان کھا کھا کر اپنے دانتوں کو سیاہ کر لیتے ہیں۔ اور جب بات کرتے وقت منہ کھولتے ہیں تو اُن کے کالے کالے گندے دانت اپنا مکروہ منظر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

پس یاد رکھو! کہ دانتوں کی صفائی سب کاموں سے ضروری اور اہم کام ہے۔ دن میں کم از کم سات مرتبہ اپنے دانتوں کو مسواک کے ساتھ صاف کرنے کی عادت ڈالو۔

مسواک کرنے سے نہ صرف یہ کہ تم کبھی بیمار نہ ہوگے۔ اور تمہارے مُنہ کی بدبُو لوگوں کو تم سے متنفر نہ کریگی۔ خدا تعالےٰ بھی تم سے خوش ہوگا حدیث شریف میں لکھا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مسواک سے مُنہ پاک رہتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

پھر یہ بھی لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو آدمی مسواک کر کے نماز پڑھیگا اُس کو ایک نماز کے عوض ستر نمازوں کا ثواب ملیگا۔ نیز یہ بھی

فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آتے مجھے مسواک کرنے کی تاکید کرتے۔ اور میں اس قدر مسواک کرتا ہوں کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کی بہت زیادتی سے میرے مسوڑھے ہی نہ چھیل جائیں۔ ایک دفعہ

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری امت پر بوجھ پڑ جائیگا تو میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا فرض قرار دیتا۔ حضور خود مسواک کا اس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ رات کو جب آپ کی آنکھ کھلتی مسواک کرنا شروع کر دیتے۔ جب باہر سے گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے۔

پس اے پیارے نونہالو! آج سے تم عہد کر لو کہ دن میں جتنی بار بھی تم سے ممکن ہو سکے مسواک کیا کرو گے۔ اور اپنے دانتوں کو ہمیشہ خوب اچھی طرح صاف ستھرا رکھو گے۔ اور اس عہد کو عمر بھر کبھی نہ بھولو گے۔

اپنے دوستوں اور ہمجولیوں کو بھی نصیحت کرتے رہا کرو کہ وہ بھی تمہاری طرح دن میں کئی بار مسواک کیا کریں۔ اور اپنے دانتوں کو خوب صاف رکھیں۔ تاکہ صحت بھی قائم رہے اور اللہ تعالےٰ کو بھی خوش کر سکو۔

کیا انسان کو شیطان گمراہ کرتا ہے؟

جب انسان اپنے خیالات کو شیطانی بنا لیتا ہے۔ تب شیطان سے لگاؤ پیدا ہو جانے کی وجہ سے شیطان کو بھی اس سے تعلق ہو جاتا ہے اور وہ بھی اُسے گمراہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔

پس یہ گمراہی درحقیقت خود انسان کے نفس سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں۔ مثلاً ایک شرابی دوسرے شرابی کو ساتھ لے جائے اور

وہ شخص جدھر جدھر یہ آدمی شراب پینے کے لئے جاتا ہے۔ اُس کے ساتھ ساتھ جائے۔ تو گو وہ یہ کہے کہ میں اس کا تابع ہوں جدھر اس کی مرضی ہے لے جائے مگر دراصل وہ خود چونکہ اس کا ہم خیال ہے اور آپ شراب کا شیدائی ہے اُس کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ اور اپنے مزے کا خیال کر رہا ہے۔

صاحب مثنوی (حضرت مولینا روم رحمتہ اللہ علیہ) نے اس قسم کے تعلق کو ایک لطیف مثال کے طور پر بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "ایک چوہا تھا اُس نے ایک اُونٹ کی رسی پکڑ لی اور اپنے پیچھے پیچھے چلانے لگا۔ اور اس پر وہ سمجھا کہ مجھے بڑی طاقت حاصل ہو گئی ہے کہ اونٹ جیسے قد آور جانور کو اپنے پیچھے چلاتا ہوں۔ اور اس پر وہ پھولا نہ سماتا تھا کہ چلتے چلتے رستہ میں دریا آ گیا۔ اُونٹ چونکہ پانی میں چلنے سے خوش نہیں ہوتا۔ اس لئے جب چوہا پانی کی طرف چلا۔ تو وہ ٹھہر گیا۔ چوہے نے اس کے کھینچنے میں بڑا زور لگایا۔ لیکن اُونٹ نے اس کی ایک نہ مانی۔ آخر چوہے نے پوچھا کہ اے اُونٹ! کیا سبب ہے کہ اس وقت تک تو جس طرح میں تجھ سے کہتا تھا تو میری بات مانتا تھا۔ مگر اب نافرمان ہو گیا ہے۔ اس نے کہا کہ جب تک میری مرضی تھی۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ اب میری مرضی نہیں ہے۔ اس لئے نہیں چلونگا۔"

غرض جس وقت چوہا اونٹ کو لے جا رہا تھا۔ اس وقت گو دیکھنے میں یہ نظر آ رہا ہو کہ چوہے کے پیچھے اُونٹ چل رہا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ چوہا جدھر جا رہا تھا اُدھر ہی اُونٹ بھی اپنی مرضی سے جا رہا تھا۔ اسی طرح گو۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر شیطان کا قبضہ ہے۔ مگر اصل میں اس کا قبضہ نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان اپنی باگ۔ اس کے ہاتھ میں دے کر خود اپنی مرضی سے اس کے پیچھے چلتا ہے۔ چنانچہ بعض انسان جب اُس سے اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں تو سختی سے اس

کی اتباع سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور وہ ڈر کر ان سے بھاگ جاتا ہے۔
(اقتباس از تقریر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ وسلم)

نماز باجماعت

مجھے قرآن شریف سے یہی معلوم ہوا ہے کہ جس کو نماز باجماعت پڑھنے کا موقع ملے اور وہ نہ پڑھے۔ تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز باجماعت کے متعلق اتنی احتیاط فرمائی کہ جس کا بیان ہی نہیں ہو سکتا۔

ایک دفعہ ایک اندھا آپ کے حضور حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے مسجد میں آتے ہوئے سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں جو میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد تک پہنچا دے اگر مجھے اجازت ہو تو میں گھر میں ہی نماز پڑھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ لیکن جب وہ لوٹ کر چلا تو پھر آپ نے اسے واپس بلایا اور پوچھا کہ کیا تمہارے گھر تک آذان کی آواز پہنچتی ہے۔ اس نے کہا حضور پہنچتی ہے۔ آپ نے فرمایا جب آذان پہنچتی ہے۔ تو مسجد میں حاضر ہوا کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ جو لوگ عشاء اور صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کے لئے مسجد میں نہیں آتے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی جگہ کسی اور کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر دوں۔ اور اپنے ساتھ اور آدمیوں کو لے کر ان کے سر پہ ایندھن رکھ کر سارے شہر میں سے ان لوگوں کو معلوم کروں جو نماز میں شامل نہیں ہوتے اور پھر آدمیوں سمیت ان کے گھر پھونک ڈالوں۔

دیکھو ایسا رحیم کریم انسان۔ ایسا مشفق و مہربان انسان فرماتا ہے کہ جو جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اُن کو اور اُن کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دوں۔

اس حدیث سے نماز باجماعت کی عظمت کا خوب پتہ لگتا ہے۔ عشا اور صبح کے وقت آنکھ کھلنی مشکل ہوتی ہے۔ جب ان دونوں وقتوں کے متعلق ایسے تشدد کا اظہار فرمایا تو دوسرے وقتوں کی نمازوں کی باجماعت ادا کرنے کی تاکید آپ ثابت ہو گئی۔ سچی اور حق بات یہی ہے کہ نماز باجماعت پڑھنے کے سوا جماعت بن ہی نہیں سکتی۔ اس لئے تم جہاں تک کوشش اور سعی کر سکو باجماعت نماز ادا کرنے کی پابندی کرو۔ خدا تعالےٰ تمہیں ایسا کرنے کی توفیق دے۔

(برکات خلافت۔ تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ)

نماز کو سنوار کر ادا کرو

نماز بڑی ضروری چیز ہے۔ اور مومن کا معراج ہے۔ خدا تعالےٰ سے دُعا مانگنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز اس لئے نہیں کہ ٹکریں ماری جاویں یا مرغ کی طرح کچھ ٹھونگیں مار لیں۔ بہت لوگ ایسی ہی نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ کسی کے کہنے سننے سے نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں۔ نماز خدا تعالےٰ کی حضوری ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی تعریف کرنے اور اس سے اپنے گناہوں کے معاف کرانے کی مرکب صورت کا نام نماز ہے۔ اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو رکھ کر نماز نہیں پڑھتا۔ پس نماز بہت ہی اچھی طرح پڑھو۔ کھڑے ہو تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف بتا دے کہ خدا تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری

میں دست بستہ کھڑے ہو۔ اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دِل جھکتا ہے۔ اور سجدہ کرو تو اُس آدمی کی طرح جس کا دِل ڈرتا ہے۔ اور نماز وں میں اپنے دین اور دُنیا کے لئے دُعا کرو۔

(از حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ از اخبار الحکم ۔۶ مئی ۱۹۰۲ء)

مومن کے فرائض

ہمیں کامل مومن بننے کیلئے خود خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں ایک مکمل پروگرام اور مفصل لائحہ عمل بتلایا ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں تمہارے لئے ایسا اسوۂ حسنہ اور پاک نمونہ موجود ہے کہ اگر تم اسے معلوم کر کے اپنے تئیں اُس پر چلاؤ گے تو دینی و دنیوی رحمتوں اور برکتوں کے وارث ہوگے۔

صرف مسلمان کہلانے سے وہ نصرت و تائید اور ہر قسم کے افضال و اکرام ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے کہ جو کامل مومن کے لئے مقدر کئے گئے ہیں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا پاک نمونہ یہ ہے کہ حضور ہمیشہ رات کے پچھلے حصہ میں بہت سویرے جاگ اُٹھتے اور وضو کر کے یہ دُعا کرتے کہ یا الٰہی! میرے گناہوں کو معاف کر۔ میری کوشش کو کامیاب کر۔ اور میری تجارت کو نفع مند کر۔ پھر حضور تہجد کی نماز بہت خشوع خضوع کے ساتھ ادا فرماتے۔ اور دوسروں کو بھی اس نماز کی ادائیگی کی تحریک فرماتے۔ اور صبح سویرے بیدار ہونے کی تاکید فرماتے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک دن صبح کی نماز کے بعد حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر پر تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضا ابھی تک آرام فرما رہی ہیں۔

حضور علیہ السلام نے زور سے آواز دی - فاطمہ بیدار ہو۔ رزق کی تقسیم کا وقت نکل رہا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جاگ کر جلدی سے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تو درست ہے کہ اوّل وقت ہی نماز ادا کرنی چاہیئے۔ مگر حضور نے یہ کیا فرمایا کہ رزق کی تقسیم کا وقت نکل رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رزق کی تقسیم بہت سویرے شروع ہو جاتی ہے جو سویرے نہیں اُٹھتے وہ خدا کے فضلوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ؎

ہر رات کے پچھلے حصّہ میں کچھ دولت لٹتی رہتی ہے
جو سوتا ہے۔ سو کھوتا ہے۔ جو جاگتا ہے سو پاتا ہے

(۲) نیز ارشاد فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ قول اور فعل سے دُوسروں کو رنج نہ پہنچے۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان اور مال کو امن ہو۔

جو امانت دار نہیں وہ ایماندار نہیں۔ اسلام میں در اصل وہی لوگ داخل ہیں جو نرمی سے بات کرتے ہیں۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مصیبت میں بیدل ہو کر گھبراتے نہیں۔ آنے والی مصیبت سے مضطرب اور پریشان نہیں ہوتے۔ اور بہت زیادہ سخاوت کرتے ہیں۔ تمام مسلمانوں سے افضل وہ ہیں جن کی گفتار و کردار سے کسی کو دُکھ نہ پہنچے۔ اور تمام ایمان والوں میں افضل وہ ہیں جن کی عادتیں نیک ہیں۔

فرمایا۔ اپنے گھر بار۔ اپنی دولت۔ اپنے کھانے پر قناعت کرو اور خوش رہو۔ دُوسروں پر حرص کی نظر نہ ڈالو۔ قناعت سے زیادہ کوئی مسترت نہیں۔ خواہش اور حرص سے بڑھ کر تکلیف دہ کوئی مرض نہیں۔ رحم سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ اپنے

ملک اور اپنی قوم کے لیئے مفید ہو۔ جو ایسا نہیں اُسے زندوں میں شمار نہ کرو۔ مزدور کو مقرر کرو تو اُجرت اُس کی پہلے بتلادو۔ تاکہ پھر جھگڑا نہ ہو۔ اور مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ ہر شے کے لیئے ایک راستہ ہے اور جنت کا راستہ علم ہے۔ قولاً۔ فعلاً۔ اشارۃً۔ کنایۃً کسی دوسرے سے وہ سلوک نہ کرو جو تمہیں خود بُرا معلوم ہو۔ درستی اخلاق کا خیال سب سے مقدم رکھو۔ کیونکہ اخلاق حسنہ ہی زندگی کا معیار ہے۔

غرضیکہ دُنیا کا کوئی کام اور کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس کے لیئے ہمارے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں نیک نمونہ موجود نہ ہو۔ اسی نمونہ کی پیروی میں دینی اور دُنیوی کامیابی ہے۔

(از آنریبل خان بہادر نواب چوہدری محمد دین صاحب)

جنتی

"اے عزیز! جنت خواہ مومن کو دُنیا میں ملے یا آخرت میں۔ اس کی سب سے بڑی علامت قرآن مجید نے یہی بتائی ہے کہ ایسے لوگ خوف اور غم سے آزاد کیے جاتے ہیں۔ یعنی نہ اُنہیں آئندہ کا ڈر ہوتا ہے نہ موجودہ پہ رنج۔

لیکن بہت سے لوگ ہیں جو مدعیٔ ایمان اور مدعیٔ جنت ہیں۔ اور اس پر بہت فخر کرتے ہیں۔ مگر جب اُن کی باتیں سُنو تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ رنج اور غم و غصہ میں ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں۔ پھر کس طرح سمجھا جائے کہ وہ غم سے آزاد ہو گئے

اے عزیز! جب تُو کسی ایسے شخص سے ملے جو ہمیشہ زمانہ کو کوستا ہو اور غیر مطمئن حالت اپنی ظاہر کرتا ہو۔ رزق کی تنگی کی شکایت کرتا ہو۔ حکام کی عیب چینی کرتا

رہتا ہو۔ پبلک کے بُرے حالات۔ لوگوں کی بد چلنیاں۔ دکھ۔ بیماری۔ بُری قسمت۔ محلہ والوں کے جھگڑے۔ مصائب۔ کمیٔ آمدنی۔ غرض ہمیشہ شکایت اور اظہار رنج ہی اُس کی زبان سے سُنا جاتا ہو۔ تو سمجھ لے کہ وہ جنت سے دُور بلکہ ایک دوزخ میں پڑا ہے۔ لیکن جو واقعی جنتی ہے وہ ہر مصیبت کو بھی شُکر کے رنگ میں لیتا ہے۔ اور الحمدُ للہ کہتا ہے۔ اور جسے یہ بات حاصل نہیں۔ وہ معمولی باتوں کو بھی بُرے اور بد ظنی کے پیرایہ میں لیتا۔ خود بھی دُکھ اُٹھاتا۔ اور دوسروں کو بھی اُس دُکھ میں شریک کرتا ہے۔ اور گو مزاج پرسی کے وقت وہ بھی عادتاً الحمدُ للہ کہتا ہے۔ مگر معاً مصائب اور دُکھ۔ درد۔ تکلیف اور بے چینی کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔ جس سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ گو زبان پہ کلمۂ شکر ہے مگر دل شکایتوں سے لبریز ہے۔ اس حالت سے اپنے آپ کو بچا کہ تجھے جنت کی زندگی حاصل ہو۔

(از حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب ریٹائرڈ سول سرجن)

غیبت

جب تم اپنے بھائی کی وہ بُرائی بیان کرو جو اس میں ہے تو یہ غیبت ہے (خواہ اس کے سامنے بیان کرو یا پیچھے)۔ اور اگر وہ بُرائی بیان کرو جو اس میں نہیں ہے تو یہ بہتان ہے۔

غیبت کی اسلام نے سخت ممانعت کی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔ بھلا کوئی تم میں سے پسند کرتا ہے کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے وہ تو تم کو یقیناً گوارا نہیں۔ پھر غیبت کیوں گوارا ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مردار کھانا ہے پس

اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو۔ اور اس بُری عادت سے بچو۔ ہمارے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ چغل خور بدترین آدمی ہے۔ اور وہ بہشت میں نہ جا سکیگا۔ اور قیامت کے روز اس کے کان میں سیسا گرم کر کے ڈالا جائیگا۔ اور اُس کی بہت سی نیکیاں کاٹ کر اس شخص کے اعمالنامہ میں داخل کر دی جائینگی جس کی اُس نے غیبت کی ہوگی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تم جانتے ہو۔ غیبت کیا چیز ہے ؟ عرض کیا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا۔

تیرا ذکر کرنا اپنے بھائی کے بارے میں جسے وہ ناپسند کرے"۔ عرض کیا گیا کہ خواہ وہ بات میرے بھائی میں موجود ہی ہو ؟ فرمایا جو بات کسی میں پائی جائے اور تُو کہے تو یہ غیبت ہے اور جو بات نہ پائی جائے اور تم بیان کرو تو وہ بہتان ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "تم میں سے بدترین آدمی وہ ہے جو ایک بات بیان کر کے دو دوستوں میں لڑائی ڈلواتا ہے۔ فرمایا جو کوئی جنت میں جانا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں "خدا تعالےٰ کی ستاری ایسی ہے کہ وہ انسان کے گناہوں اور خطاؤں کو دیکھتا ہے۔ لیکن اپنی اس صفت کے باعث اُس کی غلط کاریوں کو اس وقت تک۔ جب تک کہ وہ اعتدال کی حد سے نہ گذر جائیں ڈھانپتا ہے۔ لیکن انسان کسی دوسرے کی غلطی دیکھتا بھی نہیں اور شور مچاتا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ انسان کم حوصلہ ہے اور خدا تعالےٰ کی ذات حلیم

وکریم ہے۔ ظالم انسان اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھتا ہے۔ اور کبھی کبھی خدا تعالیٰ کے حلم پر پوری اطلاع نہ رکھنے کے باعث بیباک ہو جاتا ہے۔ اس وقت ذُو انتقام (بدلہ لینے والا) کی صفت کام کرتی ہے اور پھر اُسے پکڑ لیتی ہے۔

خدا حد سے بڑھی ہوئی بات کو عزیز نہیں رکھتا بایں ہمہ وہ ایسا رحیم و کریم ہے کہ ایسی حالت میں بھی اگر انسان نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ آستانہ الٰہی پر جا گرے تو وہ رحم کے ساتھ اس پر نظر کرتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں پر معاً نظر نہیں کرتا۔ اپنی ستاری کے طفیل رُسوا نہیں کرتا تو ہم کو بھی چاہیے کہ ہر ایسی بات پر جو کسی دوسرے کی رسوائی یا ذلت پر مبنی ہو فی الفور منہ نہ کھولیں"۔ (الحکم ۱۶ جون ۱۸۹۹ء)

پس اے عزیزو! تم ہمیشہ غیبت۔ چغلی اور عیب جوئی کے مکروہ فعل سے اجتناب کرتے رہو۔ اور اپنی زبان اور دُوسرے اعضاء کو قابو میں رکھو کہ قیامت کے روز آنکھ۔ کان۔ دل اور دُوسرے تمام اعضاء سے بھی بازپرس ہو گی۔ پس خدا تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور جن باتوں سے اُس نے منع فرمایا ہے۔ اُن سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرو۔

تہمت

کسی پر تہمت لگانا بہت بڑا عیب ہے کسی کے متعلق اپنے دل میں بُرا خیال رکھنا بدظنی ہے اور اس کا بیان کرنا تہمت ہے۔ دیکھو تو سہی اگر تمہیں کسی مجسٹریٹ کے متعلق معلوم ہو کہ اُس نے فلاں کو بغیر تحقیقات سزا دے دی ہے تو کتنا بُرا لگے گا۔ ذرا اپنے متعلق دیکھو کہ ایک بات کو لیکر یُوں ہی فیصلہ کر دیتے ہو کہ فلاں ایسا ہے۔ کسی کو چور۔ ڈاکو۔ فاسق۔ فاجر وغیرہ

کہدینا اُس کو سزا دینا ہے۔ کیونکہ اس طرح تم اُس کی عزت کو گراتے ہو۔ تم ایک غلط فیصلہ کرنے والے مجسٹریٹ پر ناراض ہوتے ہو۔ مگر خود وہی غلطیاں کرتے ہو۔ ان باتوں کو چھوڑ دو ﴿ملفوظات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ﴾

جُھوٹ

جُھوٹ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی کہے مَیں فلاں جگہ گیا تھا۔ وہاں مَیں نے اس قسم کا درخت دیکھا تھا۔ حالانکہ نہ وہ گیا تھا اور نہ اُس نے درخت دیکھا ہو۔ اس جھوٹ کا اثر دُوسروں پر نہیں پڑتا۔ یہ اس کا ذاتی گُناہ ہے۔ بہت لوگ بڑے بڑے معاملات میں جھوٹ نہیں بولتے۔ مگر ایسی باتوں میں جُھوٹ کی پروا نہیں کرتے اور کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ چھوٹا جھوٹ ہے۔ جھوٹ جُھوٹ ہی ہے۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور خطرناک گُناہ ہے۔ چھوٹا جھوٹ بھی ایسا ہی ہے جیسے بڑا جھوٹ۔ اور سارے جُرم جُرم ہی ہیں۔ بلکہ مثل تو یُوں مشہور ہے کہ کسی نے پوچھا تھا کہ اُونٹ کی کیا قیمت ہے۔ اور اُس کے بچے کی کیا۔ جواب ملا۔ اونٹ کی چالیس اور بچے کی بیالیس۔ کیونکہ وہ اُونٹ بھی ہے اور اُونٹ کا بچہ بھی۔ تو چھوٹا جھوٹ اس لئے خطرناک ہوتا ہے کہ انسان اس کے ارتکاب پر جُرأت کر لیتا ہے۔ پس تم آیندہ کے لئے عہد کرو کہ تمہاری زبان پر سوائے راستی کے کچھ نہ آئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ یُوں ہی یہ بات زبان سے نکل گئی۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ خواہ کوئی تمہاری جان بھی نکال دے تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی جبراً نہیں نکلوا سکتا۔ پھر جُھوٹ کیوں کہو۔ اگر کوئی بات تم نہیں بتانا چاہتے تو صاف کہدو کہ نہیں بتاتے اور سچائی اور راستی کو اپنا شعار بنالو۔ اور عہد کر لو کہ آج سے کوئی ایسا لفظ زبان پر جاری نہ ہو جو حقیقت کے خلاف ہو۔

﴿انوار خلافت﴾

گالی دینا

گالی دینا بھی عیب ہے۔ اس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ طبعی بات ہے کہ انسان اپنے متعلق بُری بات خواہ غلط ہی ہو نہیں سُننا چاہتا۔ اس سے اُسے تکلیف ہوتی ہے اس سے بچنا چاہئے۔ بعض لوگوں کو تو گالیاں دینے کی اس قدر عادت ہوتی ہے کہ ایسی چیزوں کو بھی گالیاں دینے لگ جاتے ہیں جو بے جان ہوتی ہیں یا گالیوں کو سمجھ ہی نہیں سکتیں۔ مثلاً ذرا جُوتی نہ ملے تو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں یا جانور کو گالیاں دینی شروع کر دیتے ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ تم مومن بنو اور کوئی ایسا لفظ تمہاری زبان پر جاری نہ ہو جو فحش ہو۔ (ملفوظات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ)

غصّہ

مولوی صاحب۔ "کہو میاں ظفر! جانتے ہو غصّہ کتنی مفید چیز ہے"؟

ظفر۔ مولوی صاحب! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ ابا جان تو مجھے ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ غصّہ بہت بُری چیز ہے۔ اور آپ اُسے مفید بتا رہے ہیں۔

مولوی صاحب۔ دیکھو بیٹا! ہر چیز میں بُرے اور بھلے دونو پہلو ہوتے ہیں۔ اگر انسان عقل سے کام لے تو وہ بُری چیز کو بھی اچھا اور مفید بنا سکتا ہے۔

آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ غصّہ جو بہت بُری چیز سمجھا جاتا ہے۔ کیسے مفید بنایا جا سکتا ہے؟

تم نے دیکھا ہوگا کہ اگر کسی دیگچی میں پانی بھر کر آگ پر رکھ دیں۔ تو تھوڑی دیر کے بعد دیگچی سے دُھوئیں کے رنگ کی سی ہوا جسے بھاپ کہتے ہیں کثرت

سے نکل رہی ہوگی۔ یہ بھاپ بہت طاقتور چیز ہے۔ اس کی روک تھام سے زبردست حرکت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے آج کل بڑے بڑے کام لئے جارہے ہیں۔ ریل گاڑیوں کے انجن۔ جہاز اور مختلف قسم کی مشینوں کے کارخانے اسی بھاپ کے زور سے چلائے جاتے ہیں۔ اور بھی اس سے ہزاروں قسم کے مفید کام لئے جارہے ہیں۔ بالکل اسی طرح غصہ بھی انسان کے اندر ایک بہت طاقتور جذبہ ہے۔ جب عقل اس طاقت کو بھاپ کی طرح اپنے قابو میں لے آتی ہے تو اس سے انسان کے اندر بہادری اور دلیری کی نیک خصلت پیدا ہوتی ہے۔

لیکن جب غصہ کو عقل کے ماتحت نہ رکھا جائے اور انسان اس پر قابو نہ پاسکے تو وہ ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔ اور اُس کی فہم و فراست مختل ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں انسان ایسی بُری بُری حرکتیں کر بیٹھتا ہے جن سے بعد میں اُسے خود بھی بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ اور دُوسروں میں بھی ذلیل اور رُسوا ہوتا ہے۔

غصہ پر قابو پانا بہت بہادری کا کام ہے۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلوان اور طاقتور وہ آدمی نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ قوی اور بہادر پہلوان وہ ہے جو اپنے تئیں غصہ کے وقت قابو میں رکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ غصے پر قابو نہ پانے سے انسان کا ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

غصہ کو قابو میں رکھنے سے انسان کے اندر بُردباری اور تحمل۔ دلیری اور بہادری پیدا ہوتی ہے۔

لیکن یاد رکھو! میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ انسان غصہ کے فطری

کو بالکل ہی مار دے۔

غصّہ کی حرارت کو بالکل مار دینے سے انسان کے اندر بے غیرتی۔ کم ہمتی۔ بُزدلی اور سستی و کاہلی جیسی بُری خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور انسان اپنی حق تلفی اور ذلّت کو برداشت کر کے ہمجنسوں میں خفّت اُٹھاتا ہے۔ اس لئے غصّہ کو بالکل ہی مار دینا تو درست نہیں۔

ہاں غصّہ کے وقت اپنے تئیں قابو میں رکھنا اور اپنے ہوش و حواس کو غصّہ کے غلبہ سے مختل ہونے سے بچانا اور عقل پر غصّہ کو غلبہ دینے کی بجائے اُسے عقل کے ماتحت رکھنا بہت مفید امر ہے۔ چنانچہ حضرت رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ غصّہ کے وقت اپنے تئیں قابو میں رکھنا خدا تعالیٰ کے نزدیک بہترین فعل ہے۔ اور یہ کہ جو اپنے آپ کو غصّہ کے وقت قابو میں رکھیگا اللہ تعالےٰ قیامت کو اُسے عذاب سے بچائیگا۔

ظفر۔ مولوی صاحب! غصّہ کے وقت اپنے تئیں قابو میں رکھنے کا کوئی گر آپ کو معلوم ہو تو مہربانی فرما کر بتا دیجئے جس سے انسان ہمیشہ غصہ کے وقت اپنے ہوش و حواس درست رکھ سکے۔

مولوی صاحب۔ بیٹا! حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں بہت عمدہ اور مفید سبق دیا ہے۔ وہ میں تمہیں سناتا ہوں۔ اُسے خود بھی یاد رکھنا اور اپنے دوستوں کو بھی بتانا۔ وہ بہت عمدہ اور مفید گر پر مشتمل سبق ہے۔ لو سُنو اور اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی کو غصّہ آئے تو وہ پانی پی لے اور وضو کرے۔ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے یا وضو کرے۔

حسد

حسد۔ عربی زبان کا لفظ ہے۔

اُردو میں اُس کے معنے ہیں۔ "جلنا"۔ جلنے والے کو **حاسد** اور جس پر حسد کیا جائے اُسے **محسود** کہتے ہیں۔

یہ کمینی عادت جن تنگ دل اور کم ظرف لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اُن کے دُوسرے ہمعصر ترقی نہ کریں۔

اگر وہ آسودہ حال اور ترقی یافتہ ہوں تو اُن کی دِلی خواہش ہوتی ہے۔ کہ اُن کی ترقی و آسودگی پر زوال آجائے۔ حاسد ہمیشہ دُوسروں کی خوشحالی کو دیکھ کر جلتا رہتا ہے اور کسی وقت اُسے اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اپنی بہتری و بہبودی کے لیئے کوشاں ہونے کے بجائے عموماً دُوسروں کی تباہی و بربادی کے درپے رہتا ہے۔ اُسے اپنی حالت سُدھارنے کی اتنی خواہش نہیں ہوتی جتنا دُوسروں کی تباہی و بدحالی کا خیال اسے دامنگیر رہتا ہے اِس طرح ایک تو وہ خود اس کمینی عادت کی بدولت ترقی حاصل نہیں کرسکتا۔ دُوسرے اوروں کو بھی خدا کی نعمتوں سے محروم رکھنے کی کوشش کر کے خدا کی ناراضگی کا مورد بنتا ہے۔

ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

نیز فرمایا کہ حسد انسان کے دین کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ یعنی حاسد آدمی بے دین ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں لکھا ہے کہ حاسد کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لیئے

خدا کی پناہ مانگتے رہنا چاہیئے۔

خیانت

ایسے گناہ جن کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ ان میں سے ایک خیانت ہے جب کوئی شخص دوسرے پر اعتماد کر کے اپنا مال اس کے پاس رکھتا ہے اور وہ اس میں خیانت کرتا ہے تو یہ حد درجہ کی بے شرمی ہے۔ میں نے ایسا خائن احمدیوں میں کوئی نہیں دیکھا کہ جس نے کسی کا روپیہ لے کر دینے سے کھلی طور پر انکار کر دیا ہو۔ اور یہ خدا کا فضل ہی ہے۔ مگر اور قسم کی خیانتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کا روپیہ خرچ کر لیتا ہے اور جب وہ مانگتا ہے تو کہتا ہے کہ جب میرے پاس ہوگا تو دے دونگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ دوسرے کے پاس روپیہ کوئی رکھتا تو اس لیئے ہے کہ جب ضرورت ہوگی لے لونگا۔ پھر کیوں اُسے ضرورت کے وقت نہ دیا جائے۔ اس قسم کی خیانت دیکھی جاتی ہے اور یہ بھی خطرناک گناہ ہے کسی کے یہ کہہ دینے سے کہ جب روپیہ ہوگا دیدونگا خیانت کا جرم کم نہیں ہو جاتا جس کا روپیہ تم نے خرچ کر لیا ہے اُس کو ضرورت کے وقت نہ ملنے کی وجہ سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ اگر اُسے یہ کہہ دیا جاتا کہ روپیہ نہیں دیتا تو بھی اس کا نقصان ہوتا۔ اس کا تو دونوں صورتوں میں ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس لیئے یہ کہہ دینا کہ جب ہوگا دے دیا جائیگا جرم کو کم نہیں کرتا۔ نفس کی پاکیزگی کے لیئے ضروری ہے کہ اگر کوئی آپ کے پاس روپیہ رکھتا ہے تو جب مانگے اُسے دے دو۔ میرے نزدیک تو خیانت کا یہ مفہوم ہے کہ آپ کا ایک نہایت عزیز بیمار پڑا ہے اور خطرہ ہے کہ اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو مر جائیگا۔ اس وقت اگر

تمہارے پاس امانت کا روپیہ پڑا ہے اور روپے والا مانگتا ہے مگر آپ اس میں سے بیمار پر خرچ کر لیتے ہیں اور اسے نہیں دیتے تو یہ خیانت ہے۔ آپ کا فرض یہ ہے کہ روپیہ جس کا ہے اُسے دے دیں۔ اور مریض کو خدا پر چھوڑ دیں۔ پھر وہ مرے یا جیئے۔

پس کبھی کسی کے مال میں خیانت نہ کرو خواہ کس قدر ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ اور خیانت کے مفہوم کو وسیع سمجھو محدود نہ کرو۔ (از ملفوظات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ)

تکبر

تکبر ایک ایسی بُری بلا ہے کہ بسا اوقات انسان تکبر اور غرور کا ارتکاب کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو متکبر نہیں سمجھتا۔ اور چونکہ تکبر نہایت باریک در باریک راہوں سے بھی ہو جاتا ہے۔ اِس لئے اُس کی وضاحت کے لئے مُرسلِ یزدانی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات درج کئے جاتے ہیں۔ حضور اپنی کتاب نزول المسیح میں تحریر فرماتے ہیں:-

"مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو۔ کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے۔ مگر تم شاید نہیں سمجھو گے کہ تکبر کیا چیز ہے؟ پس مجھ سے سمجھ لو کہ مَیں خدا کی رُوح سے بولتا ہوں۔ ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا زیادہ عقلمند یا زیادہ ہنرمند ہے۔ وہ متکبر ہے۔ کیونکہ وہ خدا کو سرچشمہ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اس کو دیوانہ کر دے۔ اور اُس کے اُس بھائی کو جس

کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے۔ اس سے بہتر عقل اور علم اور ہنر دیدے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ و حشمت کا تصور کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ وہ اس بات کو بھول گیا کہ یہ جاہ و حشمت خدا نے ہی اس کو دی تھی اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ قادر ہے کہ اس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایک دم میں اسفل السافلین میں جا پڑے اور اسکے اس بھائی کو جسکو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال اور دولت عطا کر دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے۔ یا اپنے حسن و جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے۔ اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزاء سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے۔ اور اس کے بدنی عیوب لوگوں کو سناتا ہے۔ وہ بھی متکبر ہے۔ اور وہ اس خدا سے بے خبر ہے کہ ایک دم میں اس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اس کو بدتر کر دے۔ اور وہ جس کی تحقیر کی گئی ہے ایک مدت دراز تک اس کے قویٰ میں برکت دے کہ وہ کم نہ ہوں۔ اور نہ باطل ہوں۔ کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں سست ہے وہ بھی متکبر ہے۔ کیونکہ قوتوں اور قدرتوں کے سرچشمہ کو اس نے شناخت نہیں کیا۔ اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھا ہے۔ سو تم اے عزیزو! ان تمام باتوں کو یاد رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالےٰ کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ۔ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے ایک بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے۔ اُس نے بھی تکبر سے حصّہ لیا ہے۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سُننا نہیں چاہتا اور مُنہ پھیر لیتا ہے۔ اُس نے بھی تکبر سے حصّہ لیا ہے۔ ایک غریب بھائی جو اُس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت

کرتا ہے۔ اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دُعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے۔ اُس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے مامور اور مُرسل کی پورے طور پر اطاعت کرنا نہیں چاہتا۔ اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے مامور اور مُرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سُنتا اور اُس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا۔ اُس نے بھی تکبّر سے ایک حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبّر کا تم میں نہ ہو۔ تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ۔ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ۔ خدا کی طرف جھکو۔ اور جس قدر دُنیا میں کسی سے محبت ممکن ہے تم اس سے کرو۔ اور جس قدر دُنیا میں کسی سے انسان ڈر سکتا ہے۔ تم اپنے خدا سے ڈرو۔ پاک دل ہو جاؤ۔ اور پاک ارادہ اور غریب اور مسکین اور بے شر تا تم پر رحم ہو۔" صفحہ ۳۴

ہمدردی

یاد رکھو۔ ہمدردی تین قسم کی ہے۔ اوّل جسمانی۔ دوم مالی۔ تیسری قسم ہمدردی کی دُعا ہے۔ جس میں نہ صرف زر ہوتا ہے اور نہ زور لگانا پڑتا ہے۔ اور اس کا فیض بہت ہی وسیع ہے کیونکہ جسمانی ہمدردی تو اس صورت میں ہی انسان کرتا ہے جب کہ اس میں طاقت بھی ہو۔ مثلاً ایک ناتوان مجروح مسکین اگر کہیں تڑپتا ہو تو کوئی شخص جس میں خود طاقت و توانائی نہیں ہے کب اُس کو اٹھا کر مدد دے سکتا ہے۔ اسی طرح پر اگر کوئی بے کس۔ بے سر و سامان انسان بھوک سے پریشان ہو تو جب تک مال نہ ہو۔ اُس کی ہمدردی کیونکہ ہو گی۔ مگر

دُعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے کہ نہ اس کے واسطے کسی مال کی ضرورت ہے اور نہ کسی طاقت کی حاجت۔ بلکہ جب تک انسان انسان ہے وہ دوسرے کے لئے ہمدردی کر سکتا ہے۔ اور اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی سے انسان کام نہ لے تو سمجھو کہ وہ بہت ہی بڑا بدنصیب ہے۔

(از ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ اخبار الحکم ۹ جولائی ۱۹۰۲ء)

خاموشی

قُوّتِ گویائی یعنی بولنے کی طاقت انسان کے لئے خدا تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے۔ اسی کے ذریعہ ہر طرح کی خوبیاں اور قسما قسم کے کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ انسان کی حاجتیں پوری ہوتی اور سارے کام نکلتے ہیں۔

لیکن ہر وہ چیز جو اپنی مناسب حدود سے تجاوز کر جائے۔ انسان کے لئے مضر اور نقصان رسانی کا موجب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ اس قوّت کو صحیح اور موزون و مناسب انداز سے استعمال نہیں کرتے۔ فضول گوئی اور بے معنی باتوں سے دُوسروں کی سمع خراشی کرتے رہتے ہیں۔ وہ اس نعمتِ خداوندی کے ناجائز استعمال کی وجہ سے ہمیشہ ذلّت و رسوائی کا منہ دیکھتے ہیں۔ ان میں فہم وتدبر کا مادہ بہت کم رہ جاتا ہے۔ انٹ سنٹ فضول گوئی کی وجہ سے لوگ اُنہیں خفّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اُن کی باتوں کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ اور ان کے صلاح و مشورہ پر کوئی کان نہیں دھرتا۔ سمجھدار اور دانا لوگ ہمیشہ اُن سے کنّی کترانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کم گوئی اور خاموشی میں سلامتی ہے۔ جب انسان کو زیادہ باتیں کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ تو پھر اُسے یہ بھی تمیز نہیں رہتی کہ کس موقع پر بولنا چاہیئے اور کس موقع پہ خاموشی اختیار کرنی چاہیئے

یا کس قسم کی بات مُنہ سے نکالنے سے فائدہ یا نقصان پہنچیگا۔ جن لوگوں سے کثرتِ گویائی کی وجہ سے یہ تمیز کی بابرکت صفت چھن جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ ذلّت اُٹھاتے اور رُسوا ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر کلام کو چاندی فرض کیا جائے تو چُپ رہنا سونا ہے۔ کم گوئی اور خاموشی سے انسان کی دماغی طاقتیں نشو ونما پاتی ہیں۔ ذکاوتِ ذہنی اور قوتِ فہم و ادراک بڑھتی ہے۔ صُوفیا کا قول ہے کہ کم بولنا۔ کم کھانا۔ اور کم سونا رُوحانیت کے لیئے مفید ہے۔

خاموشی انسان کے عیبوں کو چھپاتی ہے۔ جب تک آدمی کوئی بات نہیں کرتا۔ اُس کے عیب و ہنر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اور اُس کی وجاہت پُراثر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن باتیں کرنے سے اُس کی ذہنی و دماغی کیفیات ظاہر ہوجاتی ہیں۔ اور اس کی اندرونی حالت سب پر عیاں ہوجاتی ہے۔ اس لیئے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں ہمیشہ قابو میں رکھے۔ اور خُوب سوچ سمجھ کر مطلب کی بات منہ سے نکالے۔ ذوقؔ مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

کہے ایک جب سُن لے انسان دو
کہ حق نے زبان ایک دی کان دو

ہمارے سیّد و مولیٰ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے زبان کو قابو میں رکھنے کے متعلق بہت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو ہاتھ سے پکڑا اور مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ "اس کو اپنے قابو میں رکھو۔"

مَیں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جو کچھ ہماری زبان سے نکلیگا۔ اس کی بابت ہم سے مؤاخذہ کیا جائیگا؟ فرمایا خدا تمہاری والدہ کو سلامت رکھے

یہی زبان تو ہے جس کی وجہ سے لوگ دوزخ میں اوندھے منہ جا پڑینگے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے بہت پیارا اور قیامت کے دن میرا بہت نزدیکی وہ شخص ہے جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں۔ اور تم میں سے میرے مبغوض اور قیامت کے دن دُور ہونے والے وہ ہیں جو بہت کلام کرتے ہیں۔ اور گفتگو کے وقت زبان کو مروڑ مروڑ کر اور منہ بھر بھر کر باتیں کرتے ہیں۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دُہرا دُہرا کر فرمایا کہ کلام میں مبالغہ سے تکلّف کرنے والے ہلاک ہو گئے۔"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

بدبخت تر تمام جہان سے وہی ہوا
جو ایک بات کہہ کے ہی دوزخ میں جا پڑا
پس تم بچاؤ اپنی زبان کو فساد سے
ڈرتے رہو عقوبتِ ربّ العباد سے

پس جہاں تک ہو سکے اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہیئے۔ اور جب بھی بات کرنی ہو خوب سوچ سمجھ کر بامعنی اور مطلب خیز کلام کرنی چاہیئے۔

اگر ضرورت اور وقت پر نہ بولنا ایک عیب ہے۔ تو بے وقت بولنے میں سَو عیب ہیں۔ زیادہ بولنے سے انسان جھوٹ۔ غیبت۔ چغلی۔ ریا۔ فریب۔ نفاق۔ سخت کلامی۔ تکرار۔ عیب چینی۔ اپنے تئیں جتلانا۔ دُوسرے کی بات کاٹنا۔ بات بدلنا۔ بات کو گھٹانا بڑھانا۔ پردہ دری وغیرہ عیوب میں سے ایک نہ ایک کا خواہ نخواہ مرتکب ہو جاتا ہے۔ اس لئے داناؤں نے خاموشی کو بولنے

پر فضیلت دی ہے۔ پس۔ اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری باتوں کی قدر کریں۔ اور تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور بھی نیکوں میں گنے جاؤ تو زیادہ باتیں نہ بنایا کرو جو بات ہو۔ خوب سوچ سمجھ کر کرو۔ اور کوشش کرو کہ تمہاری کوئی بات بھی بے معنی اور فضول نہ ہو۔ خاموشی عقل و ذہانت کو بڑھاتی ہے۔ زیادہ باتیں کرنے سے انسان کی قوتِ فکر و فہم میں کمی آجاتی ہے۔ کیونکہ جب باتیں کی جاتی ہیں تو دماغ اپنا کام نہیں کر سکتا۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں نہایت لطیف رنگ میں خاموشی کے فوائد پر روشنی ڈالی ہے حضور فرماتے ہیں۔ جماعت کا نوجوان طبقہ عقل و ذہانت سے بہت کم کام لیتا ہے۔ اور انسانی فطرت کا بہت کم مطالعہ کرتا ہے۔ اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہیں جب موقع ملے گپیں مارتے رہتے ہیں۔ اور غور و فکر کی عادت نہیں ڈالتے۔ اور زیادہ گپیں مارنے اور باتیں کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سوچ نہیں سکتے۔ کیونکہ جب زبان بولتی ہے۔ تو دماغ کام نہیں کر سکتا۔ اسلام نے ذکر الٰہی کا حکم اِسی لیئے دیا ہے کہ جب انسان خاموش ہو تو دماغ کام کرتا ہے جس وقت انسان باتیں کر رہا ہو۔ اس وقت اس کے مدنظر یہ بات ہوتی ہے کہ سننے والوں کے لیئے زیادہ سے زیادہ دلچسپی کا سامان ہو۔ اس لیئے دماغ کو سوچنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ لیکن ذکر الٰہی کے وقت چونکہ لوگوں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اس لیئے دماغ کو سوچنے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور ذہن ترقی کرتا ہے۔ تو زیادہ باتیں کرنا فکر کی عادت کو کم کرتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ ۱۹ مئی ۱۹۳۹ء)

ہمسایہ کے حقوق

دُنیا میں لوگ مِل جُل کر رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں حِصّہ لیتے اور باہمی ہمدردی سے کام لیتے ہیں۔ اور آڑے وقت پر ایک دوسرے کے کام بھی آتے ہیں۔

خصوصاً وہ شخص جو ہمارا پڑوسی ہو اس کا حق زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ "والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور قریبی پڑوسیوں اور دُور کے پڑوسیوں اور برابر کے رفیق سے بھی حُسن سلوک سے پیش آؤ۔"

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل مجھے ہمسایہ کے حق کی وصیّت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ اُس کو وارث بنا دینگے۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ شخص ایمان نہیں لایا۔ اللہ کی قسم وہ شخص ایمان والا نہیں۔ عرض کیا گیا کہ کون؟ یا رسُول اللہ صلعم! فرمایا وہ شخص جس کی شرارتوں اور تکلیف رسانیوں سے اس کا ہمسایہ بے خطر نہ ہو۔

یہی حضرت رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسایہ کو تکلیف نہ دے۔

صحیح بخاری میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد بھی لکھا ہے کہ کوئی ہمسایہ اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے نہ روکے۔ اور جو شخص

اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ اپنے ہمسایہ سے احسان کرے اور اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ اچھا ساتھیوں میں سے وہ ہے جو اپنے ساتھیوں سے نیکی کرے۔ اور اچھا پڑوسیوں میں سے وہ ہے۔ جو اپنے پڑوسیوں سے نیکی کرے۔ عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو بکری کا ایک پایہ تک دینے میں شرم نہ کرے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حضور نے فرمایا "جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال لو اور اپنے پڑوسی کا خاص خیال رکھو"۔

حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے دو ہمسائے ہیں۔ ان میں سے میں تحفہ کس کو بھیجا کروں۔ فرمایا۔ اُسے جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر کے زیادہ قریب ہے"۔

عزیزو! پڑوسیوں کے متعلق اسلام کی یہ تعلیم خوب ذہن نشین کر لو۔ اور اس کا عملی نمونہ بن کر دکھا دو۔ خدا تعالیٰ کی بیشمار برکتیں تم پر نازل ہونگی۔

نیک مُصاحبت

صُحبت کا اثر انسان کی طبیعت پر بہت جلد ہوتا ہے۔ انسان کو پتہ بھی نہیں لگتا۔ اور اس کے دوستوں اور ساتھیوں کی عادتیں اس میں سرایت کرنے لگ جاتی ہیں۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے بہت خوب فرمایا ہے کہ اگر تو

اچھی صحبت میں بیٹھیگا تو نیک ہو جائیگا۔ اور بد صحبت اختیار کریگا تو بد بن جائیگا۔

دیکھو! جس طرح جو چیز مٹی میں ڈال دی جائے۔ آخر ایک دن وہ بھی مٹی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی کہ جسے خاک کا پتلا کہا جاتا ہے۔ جس قماش کے آدمی سے رفاقت اختیار کریگا۔ اُس کی خُوبُو اور صفات اس میں گھر کر جائینگی۔ جو شخص پتنگ بازوں اور تاش کھیلنے والوں کے پاس بیٹھتا ہے۔ اگرچہ وہ خود پتنگ باز یا تاش کھیلنے والا نہ ہو۔ لیکن صحبت کے اثر سے چند روز میں ہی تم دیکھو گے کہ وہ بھی ان بدعادتوں کا شکار ہو چکا ہے۔

بس تمہیں چاہئے کہ ہمیشہ نیک اور شریف۔ اچھی عادتوں والے دوست بناؤ۔ اور فرصت کا وقت صرف اُنہی کے ساتھ ہی گذارو۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ مخلص اور سچے مسلمان کو ہی اپنا رفیق بنائے۔ اور خدا کو خوش کرنے کے لئے اُس کے ساتھ دل سے محبت کرے۔ جو شخص نیکی کے لئے کسی سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے واسطے دوستی پیدا کرتا ہے۔ تو قیامت کے دن اس پر خدا تعالیٰ کا سایہ ہوگا"

دیکھو! جب قیامت کے روز اُس پر خدا کا سایہ ہوگا تو اس دُنیا میں کیونکر نہ ہوگا؟

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اور بُرے ساتھی کی بہت عمدہ مثال دے کر سمجھایا ہے کہ ہمیشہ نیکوں۔ اور نیکی سے محبت رکھنے والوں کی ہی صحبت و رفاقت اختیار کرو۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نیک اور بدساتھی کی مثال۔ عطر بیچنے والے اور دھونکی دھونکنے والے کی طرح ہے۔

عطر فروش یا تو تجھے مفت مُشک دیگا یا تُو اس سے خرید ہی لیگا یا کم

ازکم اس کے پاس بیٹھنے سے اس کے عطر کی خوشبو خود بخود ہی تیرے دل و دماغ کو معطر رکھیگی۔ برخلاف اس کے اگر تو دھونکنی دھونکنے والے کے پاس بیٹھیگا تو یا تو تیرے کپڑوں کو آگ لگ جانے کا اندیشہ ہے یا اُس کی رفاقت سے کم ازکم دھونکنی کی بدبُو اور دھوئیں سے ہی تُو اپنے دل و دماغ کو پریشان کریگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں نیک خصال دیندار رفیق نہ ملے تو تمہارا اکیلے تنہائی میں بیٹھ رہنا بُرے ساتھیوں کی صُحبت سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ یاد رکھو! کہ سچے اور مخلص رفیق بہت جستجو سے ملتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے مطلب اور اپنی اغراض کی وجہ سے دوستی اور محبت کا دم بھرنے لگ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مصاحبت سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرو۔ ہندوستان کے ایک بہت ہی نیک دل، دیندار اور متقی پرہیزگار شاہنشاہ حضرت اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مجھے بہت تلاش کے بعد اپنی ساری عمر میں صرف ایک ہی سچا اور مخلص دوست مل سکا۔

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ اگر مجھے دُنیا جہان کی نعمتیں بھی مل جائیں لیکن کوئی مخلص دوست نہ ملے تو وہ سب نعمتیں میرے نزدیک فضول اور عبث ہیں۔

پس تم نیک اور مخلص دوست ڈھونڈو۔ اور ان کی صحبت کو غنیمت جانو

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے بھی حکم دیا ہے کہ کُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کہ نیکوں اور پاکوں اور سچوں کی صحبت اختیار کیے رہو۔"

یہ خیال رکھو! کہ مخلص اور نیک دوست دُنیا میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اُن کے حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش درکار ہے۔

سب سے بہتر طریق تو یہ ہے کہ تم خود اپنے اندر اخلاص اور سچائی اور نیکی پیدا کرو۔ اور احسان کرنے والوں کے ہمیشہ شاکر و ممنون رہو۔ جہاں تک تم سے بن پڑے تم بھی ان کے مذاق کے مطابق اُن سے محسنانہ سلوک کرو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں تحفے دیا کرو۔ کہ اس سے باہم محبّت بڑھتی ہے۔

جب تمہارے ساتھ کوئی محبّت کا اظہار کرے تو تم بھی اس سے خلوص نیّت کے ساتھ محبّت کرو۔ تمہارا دلی خلوص اُسے بھی مخلص بنا دیگا۔ اپنے ذوق وشوق کے مقابلہ میں اپنے دوستوں کی خواہشات کا زیادہ خیال رکھو۔ اور چاہیئے کہ تم اپنی محبّت اور دوستی کے دائرے کو بہت وسیع رکھو تاکہ قیامت کے دن اور اس دُنیا میں بھی تم پر زیادہ سے زیادہ خدا تعالےٰ کے فضل وکرم کا سایہ رہے۔

اگر تم خود ان باتوں کا خیال رکھو گے تو پھر سچّے دوستوں کا ملنا کچھ بھی مشکل نہ ہوگا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر قسم کے عیب اور نقص سے بالکل پاک تو صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ ایسے بہت کم انسان ہونگے جن میں کوئی بھی عیب نہ ہو۔ پس تم دُوسروں کے عیب اور نقص معلوم کرنے کی بجائے اپنے عیبوں کی جستجو میں لگے رہو۔ اور پوری کوشش سے انہیں دُور کرنے کی کوشش کرو۔ اپنے دوستوں کے قصوروں اور نقصوں کی بہت پردہ پوشی کرو اور ان کے عیوب دوسروں پر ہرگز ظاہر نہ ہونے دو۔

ہاں اگر تم اپنے کسی دوست میں کوئی بُری بات یا بدخصلت دیکھو تو اُسے تخلیہ میں نہایت ہمدردی اور دِلی اخلاص کے ساتھ اچھے انداز میں نصیحت کرو۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر شخص اپنے بھائی کے

لیئے آئینہ ہے۔ سو اگر اس میں کوئی بری بات دکھائی دے تو اس سے دور کر دینی چاہیئے۔ حضور کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہی کافی نہیں کہ ہم اپنے دوستوں کے نقصوں پر پردہ ہی ڈالیں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم حکمت و مصلحت کے ساتھ ہمدردی کے الفاظ میں اپنے دوستوں کو اُن کے عیبوں سے علیحدگی میں آگاہ کریں تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں۔ اور آئندہ اُس خرابی سے بچے رہیں۔ جو اُس عیب کی وجہ سے پیش آتی ہے۔

لیکن اس موقع پر بہت احتیاط اور سمجھداری سے کام لینے کی ضرورت ہے ورنہ بسا اوقات دوستوں کے دِل میں غلط فہمی کی وجہ سے کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیئے چاہیئے کہ قصہ کہانی کے رنگ میں یا اشاروں اور کنایوں میں اس طرح بات کرو کہ انہیں خود بخود ہی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ اپنے دوستوں کی طرف سے اگر تمہیں کوئی شکایت پیدا ہو۔ اور کسی وقت خدانخواستہ کشیدگی کی نوبت آجائے تو اس رنج کو طول نہیں دینا چاہیئے بلکہ اُسے بہت جلد دُور کر دینا چاہیئے۔ اور باہم ملاطفت کے ساتھ جلدی ہی صفائی کرلینی چاہیئے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کشیدہ ہو کر تین رات سے زیادہ ترکِ ملاقات کرے۔ جب وہ دونو ملیں تو ایک اس طرف منہ کرے دوسرا اُس طرف۔ ان دونو میں بہتر وہ ہے جو السلام علیکم کہنے میں ابتدا کرے"۔

پس اس بات کی انتظار نہیں کرنی چاہیئے کہ پہلے کون بولے۔ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ دونو میں سے اچھا وہی ہے جو بولنے اور سلام کرنے میں سبقت کرے۔ حضور کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مومن کینہ ور نہیں ہوتا۔ جو شخص صلح کرنے میں پہل کریگا وہ خدا تعالیٰ کی بہت زیادہ خوشنودی

کا وارث ہوگا۔ اور جو بغیر صلح کئے مر جائیگا اسے جہنمی زندگی نصیب ہوگی۔
دوستوں کو اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں قریبی رشتہ داروں کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ پس ذرا ذرا سی بات پر ایسے عزیز رشتہ کو قطع کرنا قرینِ دانشمندی نہیں حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن فرمائیگا کہاں ہیں وہ لوگ جو آپس میں محض میرے جلال کی خاطر محبت رکھتے تھے۔ آج کے دن میں اُن کو اپنے سایہ میں رکھونگا۔ جب کہ کوئی سایہ نہیں سوا میرے سایہ کے۔"

ایسے پاکیزہ رشتہ کو جو قیامت جیسے رُوح فرسا مقام میں خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے سایہ میں ٹھکانہ دلانے کا موجب ہوگا کسی معمولی سی رنجش کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے توڑ دینا کتنی بدقسمتی کی نشانی ہے۔

بانیٔ سلسلۂ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ضمن میں نہایت تاکیدی احکام صادر فرمائے ہیں۔ ان پاک باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ حضور فرماتے ہیں جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے۔ اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔
"تم آپس میں جلد صلح کرو۔ اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں۔ وہ کاٹا جائیگا۔ کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو۔ اور باہمی ناراضگی جانے دو۔ اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلّل کرو۔ تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے مُنہ سے نکلیں۔ اور مَیں نے بیان کیں۔ تم اگر چاہتے ہو کہ

آسمان پر تم سے خدا راضی ہو۔ تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ
میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے
گناہ بخشتا ہے۔ اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے۔ اور نہیں بخشتا۔ سو اُس کا
مجھ میں حصہ نہیں۔

سادہ زندگی

انسان کی اصلی زینت سادہ زندگی بسر کرنے میں ہے۔ سادہ زندگی انسان
کو محنت کا عادی۔ جفاکش اور چست و ہوشیار بنادیتی ہے۔

اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو اپنے پاک کلام میں باربار سادگی کی تلقین فرماتا
ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندے اُس کی ہر ایک نعمت سے فائدہ
اُٹھائیں۔ لیکن افراط اور فضول خرچی سے بیجا خرچ نہ کریں۔ قرآن مجید میں آیا
ہے کہ زینت کی چیزیں اور ہر قسم کی حلال نعمتیں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں
کے استعمال کے لئے پیدا کی ہیں کہ وہ کھائیں پئیں لیکن فضول خرچیاں نہ
کریں کیونکہ اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہمارے پیارے
آقا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فضول خرچ اور بیجا تکلف سے بہت
نفرت تھی۔ اس لئے حضور نے ایسی تمام چیزوں کے استعمال سے اپنی اُمت
کو منع فرمایا ہے جن سے تکبر۔ غرور اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے۔ صحیح بخاری
میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا۔ اُسے
آخرت میں ریشم پہننے کو نہیں ملیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفید اور سادے کپڑوں کو بہت پسند فرماتے

تھے۔ اور دوسروں کو بھی ارشاد فرماتے کہ سفید کپڑے استعمال کرو کہ وہ بہت اچھے اور پاکیزہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص شہرت حاصل کرنے کے خیال سے کوئی کپڑا پہنیگا قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اُسے ذلّت اور رسوائی کا لباس پہنائیگا۔ نیز فرمایا کہ ریشم اور سونے کا استعمال میری امت کے مردوں پر حرام قرار دیا گیا ہے۔

ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم بہت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ آپ کی بیوی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر کا سب کام خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ اپنی ٹوٹی جوتی کو خود ہی گانٹھ لیا کرتے۔ اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کو خود سی لیا کرتے۔ اپنی بکری کو خود دودھ لیا کرتے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت امیر المومنین حکیم الامت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ بھی نہایت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے اور اپنے گھر میں ہر قسم کا کام کاج کرنا سنّتِ نبوی کے مطابق عیب نہیں سمجھتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے سادگی اور نظافت کی زندہ مثال ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خاص طور سے حکم دیا ہے کہ ہم سادہ زندگی بسر کریں۔

جماعتِ احمدیہ کو روحانی اور جسمانی ترقیات کے اعلیٰ مقامات پر پہنچانے کے لئے حضور نے تحریک جدید کے نام سے جو نہایت مفید اور اہم مطالبات جماعت سے کئے ہیں۔ ان میں سے ایک خاص مطالبہ سادہ زندگی بسر کرنے

کا بھی ہے۔ حضور کا حکم ہے کہ ہر احمدی اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت
ڈالے۔ حتیٰ کہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ہر احمدی کو اپنا امتیازِ خصوصی بنا لینا
چاہیئے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ "یہ معاملہ بظاہر چھوٹا سا نظر آتا ہے لیکن دراصل
یہ اپنے اندر اتنے فوائد اور اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا اندازہ الفاظ سے
نہیں کیا جا سکتا"۔

"کام کرنے کی عادت ڈالنا نہایت ہی اہم چیز ہے اور اسے جماعت کے
اندر پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ تا جو لوگ سست ہیں وہ چست ہو جائیں
اور ایسا تو کوئی بھی نہ رہے جو کام کرنے کو عیب سمجھتا ہو۔ جب تک ہم یہ احساس
نہ مٹا دیں کہ بعض کام ذلیل ہیں۔ اور ان کو کرنا ہتک ہے۔ یا یہ کہ ہاتھ سے کما
کر کھانا ہتک ہے۔ اس وقت تک ہم دنیا سے غلامی کو نہیں مٹا سکتے۔
لوہار۔ بڑھئی۔ دھوبی۔ نائی غرضیکہ کسی کا کام ذلیل نہیں"۔ ہاتھ سے کام کرنے
میں کئی فائدے ہیں۔ سب سے اہم امر یہ ہے کہ اس سے مذہب کو تقویت
ہوتی ہے اور دنیا سے غلامی مٹتی ہے۔ جب تک دنیا میں ایسے لوگ موجود
ہیں جنکو ہاتھ سے کام کرنیکی عادت نہیں وہ کوشش کرینگے کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود رہیں جو انکی خدمت کرتے
ہیں اور دنیا ترقی نہ کرے میری غرض یہ ہے کہ اس امر کو نہایت اہمیت دی جائے۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ
مارچ سنہ ۱۹۳۹ء)

قناعت

ظفر۔ اپنے استاد سے

مولوی صاحب۔ کل بشیر کے ابا ایک آدمی کو کہہ رہے تھے کہ "قناعت گنجِ دولت
ہے۔ گو قناعت آدمی کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی۔ لیکن انسان کو غنی بنا دیتی
ہے"۔ یہ تو فرمایئے کہ قناعت کسے کہتے ہیں؟

مولوی صاحب۔ میاں ظفر! جب کسی انسان کو اتنی روزی میسر آجائے کہ جو اس کی معیشت کے لئے کافی ہو۔

اور پھر وہ اپنی خواہشات کو بڑھانے کی بجائے جتنا ملے اسی پر صبر و شکر کرے تو اس کی اس نیک خصلت کو قناعت اور خود اُسے قانع کہینگے۔

پس یاد رکھو! اپنی خواہشات کو کم کرنا، اور جو ملے اُسے تشکر و امتنان سے قبول کر لینے کا نام قناعت ہے۔

دیکھو ظفر میاں! اگر تم قناعت نہ کرو۔ اور اپنی حالت کا مقابلہ اپنے سے خوشحال اور آسودہ لوگوں کے ساتھ کر کے دل میں کُڑھتے رہو تو تمہیں کیا مل جائیگا؟ یہی نا۔ کہ ہر وقت بے چین رہو گے؟ کسی وقت دلی خوشی اور اطمینان کا منہ نہ دیکھ سکو گے۔ اور ممکن ہے اس سے رفتہ رفتہ تم میں حسد جیسی کمینی اور بدخصلت بھی پیدا ہو جائے۔ اور تم خدا کے حضور بھی مردود گنے جاؤ۔

یاد رکھو! انسان کی یہ بڑی غلطی ہے۔ جو وہ اپنی حالت کا مقابلہ اپنے سے آسودہ حال لوگوں کی حالت سے کرتا ہے۔

ایسا انسان ہمیشہ لالچی۔ طامع۔ حریص اور کمینہ بن جاتا ہے جس سے ہر وقت وہ پریشان اور متفکر اور متردد رہتا ہے۔ پس تم کبھی اپنی حالت کا مقابلہ اپنے سے خوشحال لوگوں سے نہ کرنا۔ بلکہ ہمیشہ اپنے سے غریب اور تنگ حال لوگوں کی حالت پر غور کیا کرو۔ اور پھر خدا کا شکر کیا کرو کہ تمہیں اُس نے اپنے بہت سے فضلوں سے نوازا ہے۔ تم نے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا نام ضرور سُنا ہوگا۔ وہ ملک ایران میں ایک بہت بڑے بزرگ اور خدا کے محبوب انسان گذرے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ مسجد سے

نماز پڑھ کر میں باہر نکلا۔ تو معلوم ہوا کہ میری جوتی چوری ہو گئی ہے۔ بہت ڈھونڈا۔ لیکن جوتی نہ ملی۔ آخر کار میں ننگے پاؤں ہی مسجد سے چل پڑا۔ دل میں خیال کر رہا تھا کہ خدا کی عبادت کرنے گیا تھا اور جوتی کھو آیا۔ انہیں خیالات میں منہمک تھا کہ سامنے سڑک پر ایک اپاہج نظر پڑا جس کی دونو ٹانگیں مفقود تھیں۔ اور بیچارہ بڑی مشکل سے گھسٹ کر چل رہا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی میں نے خلوص دل کے ساتھ الحمد للہ پڑھا۔ اور خدا تعالیٰ کا دل سے ہزار ہزار شکر ادا کیا کہ میرے مولیٰ! یہ بھی مجھ جیسا انسان ہے۔ میری تو صرف جوتی ہی کھوئی گئی ہے۔ اس کی دونو ٹانگیں ہی مفقود ہیں۔ میرے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے ٹانگوں جیسی نعمت بخشی۔

ظفر۔ تم اِن بزرگ کی اس حکایت سے سبق حاصل کرو۔ اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہا کرو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں بہت زیادہ دونگا۔ اور اگر میری ناشکری کرو گے تو یاد رکھو۔ میرا عذاب اور میری سزا بہت سخت ہوگی۔

میاں ظفر! ضروری اور واجبی محنت و مشقت اور سعی و کوشش سے کبھی جی نہ چراؤ۔ بلکہ استقلال کے ساتھ پوری ہمت سے فرائض کو ادا کرو۔

پھر اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہو۔ اس پر صبر و شکر اختیار کرو پھر تم سچ مچ دیکھو گے کہ تمہارے پاس واقعی "گنجِ دولت" ہے۔

ایک خاص نصیحت

اے احمدی نوجوانو! اے جماعت کے نونہالو! اے طالب علمو! اے پیارے بچو! تمہارے مقتدا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وصیت میں تم سے منجملہ کئی

مطالبات کے حسب ذیل مطالبہ بھی کیا ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ تم نہ صرف اُس کو ہمیشہ اپنے ذہن میں مستحضر رکھو گے بلکہ پوری ہمت سے اس پر عمل بھی کرو گے۔ اور وہ فرمان حضور علیہ السلام کا یہ ہے "کہ اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو" (الوصیت)

پس اپنی جوانی۔ طاقت اور صحت کی قدر کرو۔ اور کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے تمہارے کام کرنے کی طاقت اور سلسلہ کی قوت کمزور ہو جائے۔ دراصل تمہارا کھانا پینا۔ ورزش اور سیر تفریح سب اس لئے ہیں کہ تمہارے اندر کام کرنے کی سٹیم اور بجلی پیدا ہو۔ اور جسقدر اس سٹیم اور بجلی کو تم محفوظ رکھو گے۔ اُتنی ہی عمدہ خدمت اپنی جوانی میں خدا تعالےٰ کے دین کی کر سکو گے۔ ورنہ بڑھاپے میں پھر یہ موقع مشکل سے ملتا ہے۔

بہ جوانی کنید خدمت یار   کہ در پیری نمے شود این کار

(از حضرت میر محمد اسماعیل صاحب ریٹائرڈ سول سرجن)

ایک لطیفہ

سناؤں تمہیں دوستو اِک لطیفہ   چلے جاتے تھے ایک دن بو حنیفہ رح

جو تھے مجتہد اور امام زمانہ   ہے مشہور عالم میں جن کا فسانہ

بڑے متقی تھے بڑے پارسا تھے   خدا کی خدائی میں اِک باخدا تھے

اُنہوں نے یہ رستے میں ناگاہ دیکھا   کہ ہے دوڑتا جا رہا ایک لڑکا

کہا اُس سے حضرت نے اے پیارے لڑکے   سنبھل کر چلو ورنہ تم گر پڑو گے

کہا شوخ لڑکے نے یہ بات سُن کر   کہ اے مجتہد اور دُنیا کے رہبر

اگر میں گرا بھی تو تنہا گروں گا   جو تکلیف ہوگی خوشی سے سہونگا

مگر ہاں جناب آپ ہوشیار رہیئے   مقام خطر ہے خبردار رہیئے

قدم آپ کا گر پھسل جائے حضرت!   تو دُنیا میں ہو گی بپا اِک قیامت

پھسلنے کے ساتھ آپ کے ایک عالم   گریگا جہنم میں اے شیخ اعظم

ہاتھ سے کام کرنا اور سوال کرنے سے بچنا

دُنیا میں بدترین شخص وہ ہے جو باوجود تندرستی و توانائی کے دوسروں سے بھیک مانگتا ہے۔ سوال کرنا اور بھیک مانگنا اسلام میں بہت بُرا بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن شریف میں بھیک مانگنے والوں کو پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ صدقہ و خیرات کے در اصل وہ فقیر مستحق ہیں جو ہوں تو فقیر۔ لیکن اپنی غریبی و فقیری کا ڈھنڈورا نہ پیٹیں۔ بلکہ انسان اُن کی خود داری کی وجہ سے اُنہیں غنی ہی سمجھے۔ مگر صُورت و شکل سے اُن کی محتاجی محسوس ہو۔ یہی لوگ امداد کے مستحق ہیں جو لگ لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اُوپر والا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے افضل ہے۔ اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا اور نیچے والے سے سوال کرنے والا یعنی لینے والا مراد ہے۔ بعض اوقات حضور نئے اسلام قبول کرنے والے لوگوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد بھی لیا کرتے تھے کہ ہم کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے۔ ایک ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سوال کی مذمت فرمایا کرتے تھے جس کا مجھ پر اتنا اثر ہے کہ اگر سواری پر سے میرا کوڑا اگر پڑے تو میں سوال کرنا گوارا نہیں کرسکتا۔ خود اُتر کر اُٹھاتا ہوں۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر ایک شخص رسّی لے کر جنگل میں جائے۔ اور وہاں سے لکڑیاں کاٹ کر اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے۔ تو یہ اُس آدمی سے بہت بہتر ہے جو کسی کے پاس مانگنے جائے اور وہ خواہ اسے دے

پا نہ دے۔ امیر المومنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "لوگو! ذلیل سے ذلیل کام لوگوں سے سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے بہت بہتر ہے۔

ہمارے پیارے آقا رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھانے کا بہت فرماتے تھے۔ اور اس امر کی اپنے اصحاب کو ہمیشہ تلقین فرماتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا۔ ہر مسلمان پر ہر روز کچھ نہ کچھ صدقہ وخیرات کرنا فرض ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر کسی کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو وہ کہاں سے صدقہ کرے؟

فرمایا۔ اسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھوں سے کام کرے اور خود بھی فائدہ اُٹھائے اور صدقہ وخیرات بھی کرے۔ جو شخص اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھانا کھاتا ہے اُس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی کے ہاتھوں کو دیکھا جو بہت کھردرے اور سیاہ ہو چکے تھے۔ حضور نے دریافت فرمایا کیا آپ کے ہاتھوں پر کچھ لکھا ہُوا ہے۔ اُنہوں نے کہا۔ نہیں یا رسول اللہ! پتھر پر پھاوڑا چلا کر اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ اس پر ہمارے پیارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرطِ محبت سے اُن کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

خود شناسی

اپنی لیاقت۔ قدرت۔ قابلیت کے اندازہ کرنے میں انسان کی رائے بڑی خطا کرتی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ مجھے اپنا علم جتنا زیادہ ہوگا اُتنا ہی میں خطاؤں، گناہوں۔ حماقتوں سے بچونگا۔ میری خود شناسی جتنی زیادہ

ہوگی۔ اُتنی خداشناسی بڑھیگی۔ اور اس سے میرے خیال و افعال مجموعۂ مسرت بن جائینگے۔ مشکل ہے کہ آدمی خودشناس ہو۔

کیونکہ خودپسندی۔ خودشناسی کو پاس نہیں پھٹکنے دیتی۔ جہاں دیکھو وہاں یہی نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی نیکیوں کی جتنی سوو قدر کرتا ہے۔ اُتنی اور کوئی نہیں کرتا۔ وہ اپنی خوبیوں کی ایسی تعریف کرتا ہے کہ کوئی اُس کا خیرخواہ بھی اُن کی اُتنی ستائش نہیں کریگا۔ یہ خودپسندی جو اُس کے دِل میں خیالی نیکیوں کو پیدا کرتی ہے۔ اس کو لوگ ریاکاری اور تعریف و اعتبار کی جعلسازی جانتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ جو اس طرح اپنی شہرت پھیلاتے ہیں پہلے وہ خود فریب اور دھوکا کھاتے ہیں۔ پھر اُن کے ساتھ اور لوگ بھی دھوکا میں آجاتے ہیں۔ وہ دانستہ اَوروں کو فریب نہیں دیتے۔ انسان کو اپنی ذات سے ایسی محبت ہے کہ اسے اپنے عیبوں اور بُرائیوں کا دیکھنا نہایت مُشکل ہے۔ انسان اپنے میں اُس نیکی کی عادت کا یقین کرتا ہے۔ جو اُس نے ساری عُمر میں صرف ایک دفعہ کی ہو۔ مثلاً کسی کنجوس نے ایک دفعہ کچھ روپے خرچ کرکے اپنے کسی دوست کو قید سے بچا لیا ہو۔ تو وہ صرف ایک دفعہ کے سلوک کو یہ جانیگا کہ میری عادت ہے کہ مَیں دوستوں کے ساتھ دولت سے سلوک کیا کرتا ہوں۔ جب کوئی بخیل پر لعنت ملامت کریگا تو وہ اپنی وہی فیاضی کی مثال پیش کرکے اپنے دِل کو راضی کریگا۔ جیسے بعض شیشوں کی خاصیت ہوتی ہے کہ اگر اُن کے ایک سرے کو آنکھ سے لگاؤ۔ تو وہ چیزوں کو بڑا کرکے دکھاتے ہیں اور دوسرے کو لگاؤ تو چھوٹا۔ پس ایسے ہی مغالطوں سے بُرائیاں چھوٹی اور نیکیاں بڑی ہو جاتی ہیں۔ بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے میں وہ نیکیاں سمجھنے لگتے

ہیں۔ جو اَوروں کو کرنے کے لئے سمجھاتے ہیں۔ فیاضی ۔اعتدال اور ایمانداری کا بیان جب وہ فصاحت سے کرتے ہیں تو جانتے ہیں کہ یہ نیکیاں ہم میں خود ہی پیدا ہو گئیں۔

اس غلطی میں اکثر وہ لوگ پڑتے ہیں جن کا پیشہ نیکیوں کے سمجھانے کا ہے۔ وہ فقط اس بیان پر اکتفا کرکے اپنے چال چلن پر متوجہ نہیں ہوتے کہ وہ کیسا ہے؟ ایسے آدمیوں کا ایک گروہ ہے کہ وہ اپنے بُرے چال چلن کو مذہبی پیمانے سے نہیں ناپتے۔ بلکہ اَور لوگوں کے اطوار سے اگر وہ خراب ہیں اور یہ خراب۔ تو اپنے تئیں نیک جانتے ہیں۔ اور اگر وہ دس گُنا کرتے ہیں تو یہ نَو۔ تو اپنے تئیں بڑا نیک سمجھتے ہیں۔

غرض یُوں ہم اپنے تئیں آپ دھوکا دیتے ہیں۔

سنیکا کا قول ہے کہ موت اس شخص پر بڑی سخت ہوتی ہے۔ جو اپنے تئیں نہیں جانتا اور بہت سے لوگ اُسے جانتے ہیں۔

آدمیوں کو چاہیئے کہ :-

اپنے تئیں جانیں جس پر تمام نیکیاں موقوف ہیں + (مقتبس)

لمحاتِ زندگی کی قدروقیمت

کاروباری لوگ اپنے مال کی ساخت پرداخت اور فروخت کو حتیٰ الامکان مؤثر بناتے ہیں۔ تجارت کو مستحکم کرنے اور اس کو فروغ دینے کے لئے طرح طرح کے طریقے سوچتے ہیں۔ اور غیر ضروری تفصیلات کے قطع کرنے میں اپنی انتہائی کوشش صرف کر دیتے ہیں۔

لیکن کتنے کم ہیں وہ لوگ جو اپنی خانگی زندگی میں وقت کو مؤثر بنانے

کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اور بیش بہا لمحے اور گراں بہا ساعتیں بچا لیتے ہیں۔ دُنیا میں رہنے کے لئے جو فرصت تمہیں ملی ہے وہ اتنی زیادہ نہیں جتنی تم اُسے سمجھ رہے ہو۔ اگر تم اپنی عمر کو ساٹھ سال بھی فرض کر لو۔ تو اُن میں سے بیس سال تم بستر میں ہی صرف کر دیتے ہو۔ گویا تمہاری مختصر زندگی کے دو قرن سوتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

اُن بیس اور چار چوبیس گھنٹوں کو جو ہر روز تمہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور گذر جاتے ہیں۔ کسی نے تمہارے عرصۂ زندگی پر خوب پھیلایا ہے۔

اس ساٹھ برس کی مدت میں وہ سال بھی شامل ہیں جو بچپن اور لڑکپن میں گزرے۔

(۱) بیس سال نیند میں۔

(۲) تین سال کھانے میں۔

(۳) نو مہینے دستر خوان پر کھانے کے انتظار میں۔

(۴) سترہ سال چھ مہینے کام میں۔

(۵) سات سال چھ مہینے مسرت کے تعاقب میں۔

(۶) چھ سال تین مہینے سیر اور دوسری ورزشوں میں۔

(۷) دو سال چھ مہینے بناؤ سنگار میں۔

(۸) دو سال چھ مہینے بالکل کچھ نہ کرنے میں۔

ہر وقت گھڑی کی ٹِک ٹِک ہمیں یاد دلاتی رہتی ہے کہ وقت گذر رہا ہے۔ اور ہم اپنی زندگی کا اس قدر حصّہ اپنے پیچھے اپنی دسترس سے باہر چھوڑ آئے ہیں۔ گھڑی کے ہر جھٹکے کے ساتھ عمر کا ایک لمحہ ٹوٹ کر گر جاتا ہے اور دوبارہ اُس میں پیوست نہیں ہو سکتا۔ ہم اُسے پھر کبھی استعمال نہیں

کر سکتے۔ ہم ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو گئے۔ ہر لمحہ اور ہر گھڑی اور ہر روز اور ہر ہفتہ جسے ہم بلا استفادہ گذر جانے دیتے ہیں یا اُس سے کامل فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ انجام کار ہمارے خلاف ایک شاہد بنیگا۔ یہ زندگی ایسی سب سے زیادہ قیمتی چیز کے ضائع کرنے کا الزام ہم پر لگائیگا۔ وہ قیمتی چیز جو درحقیقت خود زندگی ہے۔ کیونکہ وقت زندگی اور زندگی وقت ہے۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو اپنی عملی زندگی کے اوقات کو از سرِ نو ترتیب دے کر کم از کم ایک گھنٹہ بچا سکتے ہیں۔

ہم میں سے بہت ایسے ہیں جو زیادہ سوتے ہیں۔

یہ لازم نہیں کہ چونکہ بیداری کے وقت ہماری آنکھیں خواب آلود ہوتی ہیں۔ اس لئے ہمیں زیادہ نیند کی ضرورت ہے۔ اگر ہم آٹھ یا نو گھنٹے بستر میں گذارتے ہیں۔ بلکہ اگر ہم اس وقت کا اکثر حصہ سوتے ہوئے بھی صرف کرتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر ہم ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ زیادہ اس میں سے وضع کرینگے تو ہم بیمار ہو جائینگے۔ اس تھوڑے وقت میں قدرتی طور پر ہم پہلے سے اچھی طرح سوئینگے۔ کیونکہ گہری نیند ہی قابل لحاظ ہے۔

بچوں کے سوائے سب کے لئے سات گھنٹے کی گہری نیند کافی ہے اور مجھے اس میں شک ہے کہ نوجوانوں کو اس سے زیادہ نیند کی ضرورت ہے۔ اگر وہ لوگ جن کا جسم مضبوط ہے اور جن کی صحت اچھی ہے۔ سات گھنٹے سوئیں تو میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی نیند پوری کر لی۔ ذرا سوچو۔ کہ کسی شخص کے لئے اپنی عملی زندگی کے زمانے میں ایک گھنٹہ روزانہ بچا لینے

کے کیا معنے ہونگے۔ اُس کی زندگی ان زریں ساعتوں کی دولت سے مالا مال ہو جائے گی۔

مَیں نے لوگوں کو اکثر یہ شکایت کرتے سُنا ہے کہ اُنہیں مطالعہ کے لئے فرصت نہیں ملتی۔ اور اُن کا تمام وقت کام کاج اور میل ملاقات میں صرف ہو جاتا ہے۔ وہ اس معاملہ میں متاسف معلوم ہوتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اس دماغی کاہلی اور مستی کو جو اُن پر مستولی ہو چکی ہے۔ زیر کرنے کی جرأت اور حوصلہ نہیں رکھتے۔ سچ یہ ہے کہ ان لوگوں کو موجودہ فرصت سے دہ چند فرصت بھی میسّر آ جائے۔ تب بھی اُنہیں پڑھنے یا کسی اور قسم کی ترقی کرنے کے لئے وقت نہیں ملیگا۔ اگر ہمیں کسی بات سے دلچسپی ہے تو یاد رکھو! کہ اس کے لئے ہمیں وقت بھی مل جائیگا۔ کیا ہمیں ہمیشہ اس کام کے لئے وقت نہیں مل جاتا جس کو ہمارا دل چاہتا ہے! کیا تم مجھے کوئی ایسا نوجوان دکھا سکتے ہو۔ جسے دن رات کسی چیز کی دھن لگی رہے۔ اور پھر اس کے لئے اُسے وقت نہ ملے! کیا تم نے کبھی سوچا کہ پندرہ منٹ روزانہ میں، چوبیس گھنٹوں کی ایک ادنیٰ سی کسر ہے۔ تم کیا کچھ کر سکو گے؟ کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ اگر تم اِن انقلاب پرور لمحات کو کام میں لاتے رہتے تو کتنے علوم پر عبور حاصل کر سکتے۔

کیا تمہیں علم ہے کہ ایک گھنٹہ روزانہ کام کرنے سے تھوڑے ہی عرصہ میں تم کئی ایک زبانوں کے ماہر بن سکتے ہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ روزانہ ایک گھنٹہ صرف کرنے سے تم معمولی زندگی سے ایک بہت بلند زندگی حاصل کر سکتے ہو؟

تم سمجھتے ہو کہ تم غریب ہو۔ اور تمہیں کوئی موقعہ حاصل نہیں۔ لیکن اگر

تم جانتے کہ تمہارے قلب کے اندر کتنے زر و جواہر جمع ہیں اور تمہارے فرصت کے اوقات میں کتنی دولت پوشیدہ ہے۔ تو تم حیران رہ جاتے۔ آہ! کاش کہ میں نوجوانوں کے دلوں پر نقش کر سکتا کہ غریب سے غریب لڑکے اور غریب سے غریب لڑکی کیلئے اس کے فرصت کے اوقات میں عظیم سے عظیم امکانات موجود ہیں۔

بہت کم لوگوں کو اندازہ ہے کہ ترقی کے لئے اُن کے پاس درحقیقت کتنا وقت موجود ہے۔

وہ جو کہتے ہیں کہ ہمیں کتابیں یا رسالے پڑھنے کیلئے وقت نہیں ملتا۔ واقعی فرصت کے اوقات کی اصلیت سے ناواقف ہیں۔ وہ سمجھتے ہی نہیں کہ کتنا وقت وہ بے مصرف باتوں۔ لاحاصل کاموں اور بے فائدہ خیالوں میں گزار دیتے ہیں +

(مولوی منصور احمد صاحب مرحوم)

دِلپذیر نصائح

(از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ)

۱۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء

نونہالانِ جماعت مجھے کچھ کہنا ہے — پر ہے یہ شرط کہ ضائع مرا پیغام نہ ہو
چاہتا ہوں کہ کروں چند نصائح تم کو — تاکہ پھر بعد میں مجھ پر کوئی الزام نہ ہو
جب گذر جائینگے ہم تم پہ پڑیگا سب بار — سُستیاں ترک کرو طالب آرام نہ ہو
خدمتِ دین کو اک فضل الٰہی جانو — اس کے بدلے میں کبھی طالب انعام نہ ہو
دل میں ہو سوز تو آنکھوں سے رواں ہوں آنسو — تم میں اسلام کا ہو مغز۔ فقط نام نہ ہو
سر میں نخوت نہ ہو آنکھوں میں نہ ہو برقِ غضب — دل میں کینہ نہ ہو لب پہ کبھی دُشنام نہ ہو

خیراندیشیٔ احباب رہے مدِّ نظر — عیب چینی نہ کرو مفسد و نمام نہ ہو

چھوڑ دو حرص کرو زہد و قناعت پیدا — زر نہ محبوب بنے۔ سیم دِل آرام نہ ہو

رغبتِ دل سے ہو پابندِ نماز و روزہ — نظر انداز کوئی حصۂ احکام نہ ہو

پاس ہو مال تو دو اس سے زکوٰۃ و صدقہ — فکرِ مسکیں رہے تم کو غمِ ایام نہ ہو

حسن اُس کا نہیں کھلتا تمہیں یہ یاد رہے — دوشِ مُسلم پر اگر چادرِ احرام نہ ہو

عادتِ ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں — دِل میں ہو عشقِ صنم لب پہ مگر نام نہ ہو

عقل کو دیں پہ حاکم نہ بناؤ ہرگز — یہ تو خود اندھی ہے گر نیّرِ الہام نہ ہو

جو صداقت بھی ہو تم شوق سے مانو اس کو — علم کے نام سے پر تابعِ اوہام نہ ہو

دشمنی ہو نہ محبانِ محمد سے تمہیں — جو معاند ہیں تمہیں اُن سے کوئی کام نہ ہو

امن کے ساتھ رہو فتنوں میں حصہ مت لو — باعثِ فکر و پریشانیٔ حکام نہ ہو

اپنی اس عمر کو اک نعمتِ عظمیٰ سمجھو — بعد میں تاکہ تمہیں شکوۂ ایام نہ ہو

حُسن ہر رنگ میں اچھا ہے مگر خیال رہے — دانہ سمجھے ہو جسے تم وہ کہیں دام نہ ہو

تم مدبر ہو کہ جرنیل ہو یا عالم ہو — ہم نہ خوش ہوں گے کبھی تم میں اگر اسلام نہ ہو

سلف رسپکٹ کا بھی خیال رکھو تم بیشک — یہ نہ ہو پر کہ کسی شخص کا اکرام نہ ہو

عُسر ہو یُسر ہو تنگی ہو کہ آسائش ہو — کچھ بھی ہو بند مگر دعوتِ اسلام نہ ہو

تم نے دُنیا بھی جو کی فتح تو کچھ بھی نہ کیا — نفسِ وحشی و جفا کیش اگر رام نہ ہو

منّ و احسان سے اعمال کو کرنا نہ خراب — رشتۂ وصل کہیں قطع سرِ بام نہ ہو

بھولیو مت کہ نزاکت ہے نصیبِ نسواں — مرد وہ ہے جو جفاکش ہو گُل اندام نہ ہو

شکلِ مے دیکھ کے گرنا نہ مگس کی مانند — دیکھ لینا کہ کہیں دُردِ تہِ جام نہ ہو

یاد رکھنا کہ کبھی بھی نہیں پاتا عزت — یار کی راہ میں جب تک کوئی بدنام نہ ہو

کام مُشکل ہے بہت منزلِ مقصود ہے دُور — اے مرے اہلِ وفا سُست کبھی گام نہ ہو

گامزن ہوگے رہِ صدق و صفا پر گر تم | کوئی مشکل نہ رہیگی جو سر انجام نہ ہو
حشر کے روز نہ کرنا ہمیں رُسوا و خراب | پیارو آموختہ درسِ وفا خام نہ ہو
ہم تو جس طرح بنے کام کئے جاتے ہیں | آپ کے وقت میں یہ سلسلہ بدنام نہ ہو
میری تو حق میں تمہارے یہ دُعا ہے پیارو | سر پہ اللہ کا سایہ رہے ناکام نہ ہو

ظلمتِ رنج و غم و درد سے محفوظ رہو
مہرِ انوار درخشندہ رہے شام نہ ہو

شاہنشاہ ہند حضرت عالمگیر اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ کا استقلال اور درگذر

حضرت عالمگیر اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان کے ایک بہت عالی ہمت مستقل مزاج۔ حلیم الطبع اور متقی پرہیز گار شاہنشاہ گذرے ہیں۔ جس وقت آپ دکن میں تھے تو خبر ملی کہ آپ کے والد بزرگوار شاہجہان سخت بیمار ہیں۔

یہ خبر سُن کر آپ دکن سے آگرہ (اکبر آباد) روانہ ہو گئے۔ راستے میں معلوم ہوُا کہ آپ کے بھائی دارشکوہ کی طرف سے ایک سردار جسونت سنگھ نامی بڑی بھاری فوج لئے اُجین میں پڑا ہے۔ حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ نے بہت عاجزی اور منت کی۔ اور کہلا بھیجا کہ اعلیٰ حضرت (والد بزرگوار) بیمار ہیں۔ اُن کی عیادت کو جاتا ہوں۔ تم مجھے جانے دو۔ لیکن جسونت سنگھ نہ مانا۔ آخر سخت لڑائی ہوئی۔ اور جسونت سنگھ شکست کھا کر بھاگ نکلا۔

ازاں بعد جب حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ تختِ حکومت پر متمکن

ہو گئے۔ تو پہلے ہی سال جسونت سنگھ نے اپنے قصور کی معافی طلب کی۔
حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ۔ نے نہایت فیاضی کے ساتھ معاف کر دیا۔

پھر جب حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کی اپنے بھائی شاہ شجاع سے جنگ ہوئی۔ تو اعلیٰ حضرت رح نے جسونت سنگھ کو فوج کا افسر مقرر کیا۔ لیکن نمک حرام جسونت سنگھ نے شاہ شجاع سے پہلے ہی سازش کر لی تھی دونو فوجیں آمنے سامنے ہوئی تھیں۔ جسونت سنگھ رات کے پچھلے پہر یکدم اپنی تمام فوج کے ساتھ حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کی فوج سے نکل کر شاہ شجاع کی فوج کی طرف چلا۔ اُس نے شاہی خزانہ اور اسباب پر بھی ہاتھ ڈالا۔ اور اس قدر حالت خراب ہو گئی کہ اعلےٰ حضرت رح کی کوئی آدھی فوج جسونت سنگھ کے ساتھ شاہ شجاع سے جا ملی۔ یہ نہایت نازک وقت تھا۔ مگر حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کی پیشانی پر شکن تک نہ آیا۔ اور وہ اپنی بہادری اور دلاوری سے کسی مصیبت کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ آخر اللہ تعالےٰ نے مدد کی۔ اور اُس بے سرو سامانی میں بھی میدان انہیں کے ہاتھ رہا۔ اور جسونت سنگھ بھاگا۔

یہ بات بھی دُنیا میں یاد رہیگی کہ جسونت سنگھ بھاگ کر جب اپنے وطن پہنچا تو اُس کی بیوی نے اُسے پاس نہ آنے دیا۔ اور تمام عمر اس سے الگ رہی وہ کہنے لگی کہ میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کر آنے میری محبت کے لائق نہیں۔

چند روز کے بعد جب جسونت سنگھ کا کہیں ٹھکانا نہ رہا تو پھر معافی مانگی۔
حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ بہادر و دلاور ہونے کے علاوہ حد درجہ کے فیاض اور رحم دل بھی تھے۔ انہوں نے پھر رحم دلی سے کام لیا۔

جسونت سنگھ مارے شرم کے منہ دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ اعلیٰ حضرتؒ نے اس کو غائبانہ منصب اور خطاب وجاگیر بحال کر کے احمد آباد کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اور کئی بار بڑی بڑی مہموں پر بھیجا۔ مگر جب حکومتِ وقت کے ایک باغی سردار سیواجی کے مقابلے پر دکن میں بھیجا گیا۔ تو نمک حرام پھر اپنی عادت سے باز نہ رہ سکا اور لونڈی کے راجہ کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا۔ مگر اُس نے انکار کر دیا۔ آخر جسونت سنگھ کابل کی مہم پر بھیجا گیا اور وہیں قضا کر گیا۔

اعلیٰ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان کے بہت نیک دل۔ متقی پرہیزگار اور ہمہ صفت موصوف شاہنشاہ تھے۔ اللہ تعالےٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں اور برکتیں تا ابد ان پر نازل ہوتی رہیں آمین۔

احمدی کی تعریف

اس نظم میں ایک احمدی کے فرائض اور احمدیت قبول کرنے کے ثمرات اور نتائج مختصر طور پر بیان کیئے گئے ہیں۔

ہوں اللہ کا بندہ محمدؐ کی اُمت
ہے احمد سے بیعت خلیفہ سے طاعت
مرا نام پوچھو
تو میں احمدی ہوں
خدا کی عبادت رسُولوں کی نُصرت
قیام شریعت ھُدیٰ کی اشاعت
مرا نام پوچھو

تو مَیں احمدی ہُوں

زمانہ سے اَن بَن سبھی بھرے دشمن
لٹو کے ہیں پیاسے مُسلمان - برہمن
گر الزام پُوچھو
تو مَیں احمدی ہُوں

سیہ کار اسود ریا کار احمر
جو مغضوب ابیض تو دجّال اصفر
پہ بدنام پوچھو
تو مَیں احمدی ہُوں

طلب میں خدا کی بہت خاک چھانی
ہر اک دین دیکھا ہر اک جا دُعا کی
پھر انجام پوچھو
تو میں احمدی ہوں

وساوس - رذائل ہوئے مجھ سے زائل
یقین میرا کامل ہوں جنت میں داخل
بآرام پوچھو
تو مَیں احمدی ہوں

ہیں اثمار ایماں نجات اور عرفاں
مقاماتِ مرداں ملاقاتِ یزداں
پہ اقسام پوچھو
تو مَیں احمدی ہوں

میں کعبہ ہوں سب کا حرم اپنے رب کا
جو ملجا عجم کا تو ہادی عرب کا
اب اسلام پوچھو
تو میں احمدی ہوں
(از حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب ریٹائرڈ سول سرجن)

معاہدۂ بیعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کا خلاصہ اپنی جماعت کے لئے یہ ایک فقرہ ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کرونگا۔ اس نظم میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ دین کسے کہتے ہیں۔ اور دنیا کیا ہوتی ہے۔ نیز دین میں کیا فائدے ہیں۔ اور دنیا میں کیا نقصانات ہیں۔

میں دنیا پہ دین کو مقدم کرونگا

میں دنیا پہ دیں کو مقدم کروں گا
اسی عہد پر اپنے قائم رہوں گا
گروں گا پڑوں گا جیوں گا مروں گا
مگر قول دے کر نہ ہرگز پھروں گا
میں دنیا پہ دیں کو مقدم کرونگا

ملمع ہے احوالِ دنیائے فانی
محبت زبانی ۔ عداوت نہانی
خوشی اس کی کوئی نہیں جاودانی
مکدر ہے ہر عیش اور زندگانی
میں دنیا پہ دیں کو مقدم کرونگا

بُرائی ۔ نفاق اور جھوٹی ستائش غلاظت ۔ نجاست کی زریں نمائش
دلوں میں جلن اور سینوں میں کاوش جہنّم ہے دُنیا کی یار و رہائش
میں دُنیا پہ دیں کو مقدّم کرونگا

اگر دیں کو اپنے کروں میں قائم تو فضلوں کا وارث رہونگا میں دائم
نہ گزرے کی یہ عمر مثلِ بہائم نہ مالک کی خفگی نہ کچھ لوم لائم
میں دُنیا پہ دیں کو مقدّم کرونگا

یہ اہلِ جہاں ۔ خاص ہوں یا کہ عامی زن و مال کی کر رہے ہیں غلامی
حکومت کے عزّت کے ہیں سلامی نہیں دینِ بےکس کا کوئی بھی حامی
میں دُنیا پہ دیں کو مقدّم کرونگا

خدا کا ادب اور خلقت پہ شفقت خلوص و نصیحت ۔ نبیؐ کی محبت
تخلّق باخلاقِ باریؒ بغایت عزیزو یہی دین کی ہے حقیقت
میں دُنیا پہ دیں کو مقدّم کرونگا

مجھے زالِ دُنیا سے کیا ہوگا حاصل طمع اور حسد اور جملہ رذائل
مرا علم باطل ۔ مری عقل زائل خدا اور بندے میں رہ ہو حائل
میں دُنیا پہ دیں کو مقدّم کرونگا

اِسے کوئی ڈالے پیروں کے نیچے تو چلتی ہے پھر آپ یہ اس کے پیچھے
جو دب جائے چڑھتی ہے سر پر اسی کے مگر میں چلوں گا کہے پر نبیؐ کے
میں دُنیا پہ دیں کو مقدّم کروں گا

اُدھر مال و دولت ۔ اِدھر علم و حکمت اُدھر بے لگامی ۔ اِدھر حق سے بیعت
وہاں حُبِّ فرزند و زن جاہ و حشمت یہاں معرفت ۔ مغفرت اور جنّت
میں دُنیا پہ دیں کو مقدّم کرونگا

جو دُنیا پہ دیں کو کروں گا مقدم — تو وہ میرا دلبر۔ وہ جانانِ عالم
وہ مقصود و مطلوبِ ابنائے آدم — اُٹھا دے گا چہرہ سے پردہ اُسی دم
میں دُنیا پہ دیں کو مقدم کروں گا

مجھے نفس و شیطاں سے ہا اب بچانا — نہیں ورنہ اپنا کہیں بھی ٹھکانا
جو کمزور ہو۔ اس کو کیا آزمانا — مرا عہد یہ۔ خود ہی پُورا کرانا
میں دُنیا پہ دیں کو مقدم کرونگا

آمین

(از حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضؓ ریٹائرڈ سول سرجن)

دُعا

اے آنکہ میرے واقفِ اسرار ہو تمہی! — دلبر تمہی۔ نگار تمہی۔ یار ہو تمہی
کوئی نہیں جو رنج و الم سے کرے رہا — ہاں دلشکن بہت ہیں۔ پہ دلدار ہو تمہی
دروازہ اور کوئی بھی آتا نہیں نظر — جاؤں میں کس طرف کو جو بیزار ہو تمہی
تم سا کسی میں حسنِ گلوسوز ہے کہاں — عالم کی ساری گرمئی بازار ہو تمہی
لینے کا اس متاع کے کس کو ہے حوصلہ — بے دیکھے میرے دل کے خریدار ہو تمہی
اعمال ہیں نہ مال۔ نہ کوئی شفیع ہے — اب بات تب ہے جو مددگار ہو تمہی
تم سے نہ گر کہوں تو کہوں کس سے جا کے او — اچھا ہوں یا بُرا۔ مری سرکار ہو تمہی
اب لاج میری آپ کے ہاتھوں میں ہے فقط — ستار ہو تمہی مرے غفار ہو تمہی
درماندہ ہو گیا ہوں۔ غضب ہے تو یہی ہوا — کیجئے مدد! کہ چارۂ آزار ہو تمہی

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

(بخارِ دل)

اخلاقی اور رُوحانی کہانیاں

ایک دلچسپ مکالمہ

ایک دفعہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے خلیفہ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اُن کے صاحبزادہ حضرت امام حسین رضؓ نے دریافت کیا ۔ اباجان ! کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے ۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں بیٹا تُو مجھے بہت پیارا ہے ۔

حضرت امام حسینؓ نے پھر پوچھا کہ اباجان ! کیا آپ کو اللہ تعالیٰ سے بھی محبت ہے ۔ حضرتؓ نے فرمایا ۔ ہاں ۔ مجھے اپنے مولیٰ سے بہت محبت ہے ۔ اس پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔ اباجان ! ایک وقت میں آپ دونوں سے کس طرح محبت کرسکتے ہیں ۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ نے ارشاد فرمایا ۔ عزیز من ! جب تک تیری محبت خدا کے مقابلے میں نہیں آتی ۔ تب تک وہ قائم ہے ۔ مگر جس وقت تیری محبت خدا کے مقابلہ میں آپڑے گی تو تیری محبت کو کاٹ دونگا ۔

اللہ تعالیٰ کی محبت بہرحال مقدم ہے ۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے تمام تعلقات میں خداتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مدنظر رکھے ۔

بدترین گناہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک ولی اللہ گذرے ہیں ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی نوجوان آدمی اُن کے پاس آیا اور بہت رو کر کہنے لگا ۔ حضور ! مَیں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے ۔ جس کو شرم کی وجہ

سے بیان نہیں کر سکتا۔ اتنا عرض کرتا ہوں کہ وہ بہت ہی بُرا اور فحش فعل ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ بھائی آخر بیان تو کرو کہ کیا گناہ کر آئے ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور میں نے فلاں بُرا کام کیا ہے۔ جس کی پاداش میں شریعت نے سو کوڑے لگانے کی سزا مقرر کی ہے۔

حضرت نے کہا کہ میں تو اس خیال سے ڈر گیا تھا کہ شاید تُو نے کسی کی غیبت کی ہے۔ غیبت اس گناہ سے بھی خدا کے نزدیک زیادہ سزا کا باعث ہوتی ہے۔

مُردہ بھائی کا گوشت

ملکِ عراق میں بغداد ایک مشہور شہر ہے۔ وہاں ایک بڑے ولی اللہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ گذرے ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک دن آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر دستِ سوال دراز کیا۔

آپ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ہٹا کٹا جوان تندرست مرد ہے۔ خود کما کر کھا سکتا ہے۔ پھر بھی سوال کی ذلّت گوارا کرتے شرماتا نہیں۔

اُسی روز آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک سرپوش طباق آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور کہا گیا کہ سرپوش اُٹھا کر ماحضر تناول فرمائیں جونہی سرپوش اُٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی سوالی مرا ہوا اس میں پڑا ہے۔ جسے دیکھ کر آپ کو بہت کراہت ہوئی اور فرمایا کہ میں اسے نہیں کھاؤنگا۔ اس پر کہا گیا کہ تُو اسے مسجد میں کیوں کھاتا تھا؟ حضرت جنید سمجھ گئے کہ قرآن مجید میں جو لکھا ہے کہ جو کوئی کسی کی غیبت کریگا وہ گویا اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائیگا۔ اور میں نے کل مسجد میں اپنے دل میں جو اس کی غیبت کی تھی۔ اُسی کا نتیجہ مجھے خواب میں دکھایا گیا۔ آپ نے اُسی وقت اُٹھ کر وضو کیا اور

دو رکعت نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور رو رو کر اپنے گناہ کی معافی چاہی اور آیندہ کے لئے توبہ کی۔ اور پھر اس سوالی کی تلاش میں گھر سے نکل گئے۔ دیکھا کہ وہ سوالی دریائے دجلہ کے کنارے سطح آب سے پات اُٹھا اُٹھا کر کھا رہا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ دفعتہً اُس نے سر پھیر کر مجھے دیکھا۔ اور کہا۔ جنید! تُو نے ہماری غیبت کے گُناہ سے توبہ کر لی؟ فرمایا۔ ہاں۔ اُس نے کہا کہ جاؤ۔ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ خبردار! آیندہ کے لئے اپنے دِل کو قابو میں رکھنا۔

ایک عجیب احسان

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ بھی ایک مشہور ولی اللہ تھے۔ اُن کے ذکر میں لکھا ہے کہ آپ کو خبر ملی کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے۔ آپ نے تازہ اور نہایت عمدہ کھجوروں کی ایک طشتری بھر کر اُسے بطور تحفہ بھیجی۔ اور کہلا بھیجا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو شخص کسی کی غیبت کرتا ہے اس کے نیک اعمال کا ثواب چھن جاتا ہے۔ اور وہ ثمرہ جس شخص کی غیبت کی گئی ہو اس کے حق میں کر دیا جاتا ہے"۔ میں نے سُنا ہے آپ نے میرے اعمال کے دفتر میں اپنی نیکیوں کو وضع کر کے شامل کر دیا ہے۔ پس میں نے چاہا کہ آپ کے احسان کا کچھ بدلہ ادا کروں۔ سو یہ ناچیز ہدیہ قبول فرمائیں۔ معاف کیجیئگا۔ میں آپ کے احسان کا کماحقہٗ عوضانہ ارسال نہیں کر سکا۔

بدظنی

انہیں حضرت کا ذکر ہے کہ آپ نے اپنے دِل میں یہ پکا عہد کیا کہ کسی پر کبھی کسی قسم کی بدظنی نہیں کرینگے۔ اور بہرحال ہر شخص کو اپنے سے اچھا جانینگے۔

ایک روز آپ دریائے دجلہ کے کنارے سفر کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں آپ کا ایک درخت کے پاس سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ اس درخت کے نیچے کوئی شخص ایک عورت کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اور سامنے شیشے کی بوتل رکھی ہے۔ آپ کے دل میں خیال گزرا کہ یہ بدقماش تو کسی صورت میں بھی مجھ سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ کسی کی عورت کو لئے بیٹھا شراب پی رہا ہے۔

انہی خیالات میں تھے کہ کچھ فاصلہ پر ایک اسباب سے بھری ہوئی کشتی نظر پڑی۔ جو دریا کی لہروں میں چکر کھا کر پانی میں ڈوب گئی۔ اس کشتی پر سات آدمی بھی سوار تھے۔ وہ بیچارے بھی کشتی سے نکل کر دریا میں ڈبکیاں کھانے لگے۔

اس پر وہ شخص جسے حضرت نے بدقماش خیال کیا تھا۔ جھٹ پانی میں کود پڑا اور چھ آدمیوں کو باہر نکال لایا۔ اور حضرت سے مخاطب ہو کر بولا۔ کہ اگر آپ اپنے تئیں مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ تو اُٹھئے۔ چھ آدمیوں کو تو میں نے مرتے مرتے بچا لیا ہے۔ اب ساتویں کو آپ بچا کر دکھائیے۔

اے مسلمانوں کے امام! تُو نے تو خواہ مخواہ مجھ پر بدظنی کی۔ وہ عورت جو آپ نے دیکھی ہے وہ میری ماں ہے۔ اور اس بوتل میں پانی ہے جو آپ کا امتحان لینے کے لئے اس میں ڈال کر پیا جا رہا تھا۔

اس پر حضرت بہت شرمندہ ہوئے اور فرمانے لگے۔ اے نیک مرد! جس طرح تُو نے ان ڈوبتوں کو بچا لیا ہے۔ مجھے بھی بدظنی۔ خود بینی اور خود پسندی کے دریا سے نکال لیئے۔

نتیجہ۔ انسان کو چاہئے کہ کبھی کسی پر بدظنی نہ کرے۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ خراب اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جس بات کا تمہیں یقینی علم نہیں اور اُس کے ثبوت میں تمہارے پاس پورے شواہد

نہیں اُن کا ذکر کرنا تو درکنار۔ کبھی خیال میں بھی نہ لاؤ۔ کہ قیامت کے روز کان۔ آنکھ اور دِل ہر ایک سے پوچھا جائیگا +

عقلمند کون ہے؟

لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے پُوچھا کہ عقلمند کون ہے ؟

حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ عاقل وہ ہے جو نیکی اور بدی میں فرق سمجھے۔ اس پر حضرت امام جعفر رضی نے ارشاد فرمایا کہ اتنا تو جانور بھی کرتے ہیں۔ وہ بھی اپنے مارنے اور پچکارنے والے کو خوب پہچانتے ہیں۔ تب حضرت ابو حنیفہؒ نے دریافت کیا کہ آپ فرمائیے آپ کے نزدیک عقلمند کون ہے؟

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عقلمند وہ ہوتا ہے۔ جو دو خیر اور دو شر میں تمیز کر سکے تا دو خیروں میں سے بہترین خیر کو اختیار کرے اور دو شروں میں سے بہتر شر کو چُنے۔

کِس کا حج قبول ہُوا؟

حضرت عبداللہ بن مُبارک جن کا ذکر دُوسری کہانی میں تم سُن چکے ہو۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حج سے فارغ ہو کر خانہ کعبہ میں لیٹ گیا۔ اسی اثنا میں میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو فرشتے آسمان سے اُترے ہیں۔ ایک نے دُوسرے سے پوچھا کہ امسال کتنے لوگ حج پر آئے؟ اُس نے جواب دیا چھ لاکھ۔ پھر اُس نے پوچھا کہ کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟ دُوسرے نے جواب دیا ان میں سے کسی کا حج بھی قبول نہیں ہُوا۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ان فرشتوں کا مکالمہ سُن کر میں۔ بہت بیقرار

ہوا۔ اور افسوس ہوا کہ اتنی دُنیا تکلیف و مشقت اٹھا کر حج کو آئی لیکن ناکام واپس گئی۔ اسی خیال میں تھا کہ ایک فرشتہ بولا کہ ملک شام کے شہر دمشق میں ایک موچی علی ابن الموفق رہتا ہے۔ وہ حج کو چل کر تو نہیں آیا۔ لیکن حج اس سال صرف اسی کا قبول ہوا ہے اور ان سب لوگوں کو بھی اللہ تعالےٰ نے اسی کے طفیل بخش دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ کہتے ہیں میری آنکھ کھل گئی۔

اور میں نے ارادہ کیا کہ اب دمشق پہنچ کر اس شخص کی زیارت کرنی چاہیے۔ چنانچہ میں پہنچا اور اس کا گھر تلاش کرنا شروع کیا۔ آخر کار اُس کا مکان مجھے مل گیا۔ میں نے اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اُس کا نام لے کر اُسے آواز دی۔ اتنے میں ایک شخص نکلا۔ میں نے کہا۔ تیرا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا علی ابن الموفق۔ میں نے پوچھا۔ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ اُس نے کہا جوتیوں میں پیوند لگاتا ہوں۔"

اس پر میں نے اُس سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اور پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ موچی نے جواب دیا یا حضرت! تیس برس سے مجھے حج کرنے کی دلی آرزو تھی۔ اور جوتیوں میں پیوند لگا لگا کر تین سو درم جمع کیے اور اس سال حج کا پختہ ارادہ کر لیا۔

اسی اثناء میں ایک روز کا ذکر ہے کہ میری بیوی نے کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ مجھ سے کہا کہ ہمسایہ کے گھر میں سالن پکنے کی خوشبو آ رہی ہے۔ تو جا کر کچھ تھوڑا سا میرے لیئے لے آ۔ چنانچہ میں سالن لینے ہمسایہ کے ہاں گیا۔

ہمسایہ نے کہا کہ بھائی! یہ کھانا تمہارے لائق نہیں۔ آج سات روز

سے ہم نے اور ہمارے بچوں نے کچھ نہیں کھایا۔ آج سب کی حالت خراب ہونے لگی تو میں گھر سے باہر نکلا۔ ایک مرا ہوا گدھا ایک گڑھے میں پڑا میری نظر سے گذرا۔ میں تھوڑا سا گوشت اسی سے کاٹ لایا ہوں اور اُسی کو پکا یا جا رہا ہے تاکہ بال بچوں کی جان بچے۔

جونہی میں نے یہ ماجرا سُنا میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دوڑتا ہوا واپس گھر آیا۔ وہ تین سو درہم لاکر اس کو دے دئے۔ اور کہا کہ تو اس کو اپنے بال بچوں میں خرچ کرو۔

ایک سبق آموز مکالمہ

حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ جو خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں بڑے ولی اللہ گزرے ہیں۔ اُن کے ذکر میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ مکہ معظمہ پہنچے۔

وہاں ایک بزرگ حضرت ابراہیم ادہم رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے حضرت ابراہیم ادہم رح سے پوچھا کہئے یہاں آپ کا معاش کا کیا ذریعہ ہے؟
حضرت نے جواب دیا کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتا ہوں اور نہیں ملتا تو صبر کرتا ہوں۔

یہ سُن کر حضرت شفیق بلخی رح نے فرمایا کہ ہمارے کوچے کے کتوں کا بھی یہی دستور ہے کہ اگر انہیں کچھ چیز دی جائے تو وہ شکر گذار ہوتے ہیں اور دُم ہلاتے ہیں۔ اور جب کچھ نہیں پاتے تو صبر کرتے ہیں۔ اس پر حضرت ابراہیم ادہم رح نے پوچھا کہ آپ کا کیا دستور ہے۔ فرمایا۔ اگر ہم کو کچھ ملتا ہے تو خیرات کر دیتے ہیں۔ اور اگر نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں۔

یہ سُن کر حضرت ابراہیم ادہم اُٹھے اور آپ کے سر کو بوسہ دے کر فرمایا کہ

آپ میرے اُستاد ہیں ۔

دنیوی زندگی کی حقیقت

کہتے ہیں کہ حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک دفعہ بغداد کے پاس سے گذر ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید (جو اس زمانہ میں بغداد کا بادشاہ تھا) کے دربار میں آپؒ کی بزرگی کا ذکر ہوا۔ بادشاہ کو آپ کی ملاقات کا شوق ہوا۔ اور خاص ایلچی بھیج کر بلایا۔ آپ تشریف لائے۔

بادشاہ نے نہایت احترام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ اور عرض کیا۔ حضور! مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔

آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ! اگر آپ شکار کھیلتے ہوئے کسی ایسے بیابان جنگل میں جانکلیں جہاں آپ کے احباب بھی آپ سے بچھڑ گئے ہوں۔ اور دُور دُور تک آپ کو چٹیل میدان کے سوا اور کچھ نظر نہ پڑے۔

ایسی حالت میں پیاس کی شدت آپ کو سخت تنگ کر رہی ہو حتیٰ کہ قریب المرگ کر دے۔

اُس وقت غیر متوقع طور سے کوئی شخص آ نکلے اور کہے کہ میں پانی کا ایک گھونٹ مہیا کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ اس کے عوض آپ اپنی آدھی سلطنت کا مجھے مالک بنا دیں۔

اس حالت میں آپ اُسے کیا جواب دینگے۔

بادشاہ نے عرض کیا کہ میں اُسے آدھی سلطنت کا قبضہ دے کر پانی کا گھونٹ لے لونگا۔

حضرت نے فرمایا کہ اگر اُس پانی پینے کے بعد تیرا پیشاب بند ہو جائے اور کسی صورت میں اجابت نہ ہو۔ یہاں تک کہ موت کا اندیشہ ہو جائے۔ اس وقت

پھر کوئی شخص نمودار ہو۔ اور وہ کہے کہ میں آپ کا علاج کرتا ہوں مگر اس شرط پر کہ صحتیاب ہونے پر آدھی سلطنت مجھے دے دیویں۔ بادشاہ نے کہا کہ میں اُسے ضرور دے دونگا اور علاج کراؤنگا۔ اس پر حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اے مسلمانوں کے بادشاہ! یہ سلطنت جو خدا تعالےٰ نے تیرے سپرد کی ہے اس کی وقعت وحقیقت پانی کے ایک گھونٹ کے برابر ہے جو اندر جاکر پھر نکل نہ سکے۔

پس آپ اس پر نازاں نہ ہو۔ اور اسی کو اپنی زندگی کا مقصود نہ سمجھ بیٹھیں۔ اور اپنی زندگی نہایت صداقت شعاری اور دینداری سے بسر کریں۔ سخاوت ومروّت اور جود وکرم کو اپنا شعار بنائیں۔ علم دین کو پُوری کوشش سے حاصل کریں۔ اور اُسے عملی جامہ پہنا کر دُوسروں کے لئے نمونہ بنیں تاکہ ہمیشہ رہنے والی زندگی میں بھی خدا تعالےٰ کے فضلوں کے وارث بن سکیں۔

اس پر بادشاہ پر رقت طاری ہوگئی اور چشم پُرآب کے ساتھ حضرت سے وعدہ کیا کہ میں حضور کی نصائح پر کاربند ہونگا۔

ایک کے عوض دس

حضرت رابعہ بصری رضی اللہ تعالےٰ عنہا ایک بہت بزرگ ولی اللہ عورت گزری ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک روز آپ کے ہاں دو مہمان وارد ہوئے۔ آپ کے پاس اس وقت صرف دو روٹیاں تھیں جو مہمانوں کے سامنے پیش کرنے ہی لگی تھیں کہ اتنے میں ایک سائل آگیا۔ جس نے روٹی کا سوال پیش کیا۔ چنانچہ آپ نے اُس سوالی کو ہی وہ دونو روٹیاں دے دیں۔ مہمان جنہیں

بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اُن کے اس طرزِ عمل سے بہت متعجب ہوئے۔ اور دِل ہی دِل میں پیچ و تاب کھانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ایک لونڈی آئی۔ اور ایک طشتری جس میں روٹیاں رکھی تھیں پیش کر کے عرض کیا۔ بیگم صاحبہ نے آپ کو بھیجی ہیں۔

حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا نے وہ روٹیاں گنیں تو اٹھارہ نکلیں۔ آپ نے لونڈی کو فرمایا یہ روٹیاں واپس لے جا۔ بیگم صاحبہ نے مجھے نہیں کسی اَور کو بھیجی ہونگی۔ تُو غلطی سے مجھے دینے آ گئی ہے۔

لونڈی واپس گئی اور ابتی بیگم سے سب ماجرا کہہ سُنایا۔ بیگم نے دو روٹیاں اَور اُن روٹیوں میں رکھ کر کہا کہ اب پھر لے جا۔ اور عرض کرنا کہ بیگم صاحبہ کہتی ہیں یہ حضور ہی کے لئے ہیں۔

جب لونڈی حضرت رابعہ رضؓ کے ہاں پہنچی تو آپ نے اُن روٹیوں کو دوبارہ گِنا تو وہ بیسؔ نکلیں۔

چنانچہ آپ نے لونڈی سے لے کر مہمانوں کے آگے رکھ دیں۔

دونو مہمان کھاتے جاتے تھے اور حیرانی سے سوچ رہے تھے کہ نامعلوم اس لوٹا پھیری میں کیا حکمت ہے؟

فراغتِ طعام کے بعد انہوں نے آپؓ سے دریافت کیا کہ حضرت اس میں کیا راز تھا؟ فرمایا جب تم دونو آئے تو مَیں نے محسوس کیا کہ تم بھوکے ہو۔ اس لئے دو روٹیاں جو میرے پاس موجود تھیں تمہارے سامنے رکھنے ہی لگی تھی کہ اتنے میں وہ سائل آ گیا۔ میں نے وہ دونو روٹیاں اس سوالی کو دے دیں۔ اور پھر اپنے مولیٰ سے دُعا کی کہ اے پروردگار! تُو نے فرمایا ہُوا ہے کہ ایک کے عوض ہم دس گُنا دیتے ہیں اور مجھے تیرے

اس وعدہ پر یقین ہے۔ اب میں نے تیری رضا کے لیئے یہ دونو روٹیاں دے دی ہیں۔ تو اُن کے عوض میں اپنے وعدہ کے موافق مجھے بیس عطا فرما۔

جب لونڈی پہلی دفعہ آئی تو طشتری میں اٹھارہ روٹیاں تھیں۔ تو میں نے خیال کیا کہ یا تو اس میں کچھ تصرف ہوا ہے۔ یا پھر مجھے نہیں بھیجی گئیں۔ اس خیال سے میں نے طشتری واپس کر دی۔ لیکن جب وہ دوبارہ آئی تو میں نے اس میں بیس روٹیاں پائیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے جو مجھ پر یقین اور بھروسہ رکھے گا اُسے میں ایسے وسیلوں سے روزی پہنچاؤنگا جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہونگے۔

عام خلق اللہ سے ہمدردی

حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب بوستاں میں نہایت دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں بیان فرمائی ہیں اُن میں سے ایک اس جگہ ہم تمہیں سُناتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کئی کئی دن کھانا نہ کھایا کرتے تھے کہ مُبادا کوئی ایسا بھوکا مسافر آجائے جو اس کھانے کا طلبگار ہو۔ ہر روز اسی اِنتظار میں رہا کرتے تھے کہ کوئی بھوکا محتاج آجائے تو اپنا کھانا اُسے ہی کھلا دوں۔ حسب معمول ایک روز اسی انتظار میں بیٹھے تھے کہ سامنے سے ایک معمر آدمی اُن کے گھر کی طرف آتا دکھائی دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس غریب بڈھے کو نہایت محبت وپیار سے اپنے گھر کے اندر بُلایا۔ اور بہت عزت وتکریم کے ساتھ جگہ دی۔ جب کھانے کا وقت آیا تو حضرت اور اُن کے بال بچے اور بوڑھا مہمان سب ہاتھ دھو کر دسترخوان پر آبیٹھے۔ سب نے کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھی۔ لیکن وہ اپاہج مہمان کچھ نہ بولا۔ اس پر حضرت نے دریافت فرمایا کہ بڑے میاں! کھانا کھاتے وقت

آپ کو اللہ کا نام لینا نہیں آتا؟ بڑے میاں بولے کہ جناب! "میں آتش پرست ہوں"
یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام غصّے میں لال پیلے ہو گئے۔ اور دستر خوان
سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بڈھے میاں کو گھر سے نکال دیا۔ اتنے میں خدا تعالیٰ نے
انکے پاس اپنا فرشتہ بھیجا۔ اُس نے آکر کہا۔ ابراہیم! دیکھئے اس بڈھے کو
اللہ تعالیٰ سو برس سے بارانِ رحمت۔ دھوپ۔ ہوا۔ پانی اور رزق عطا کرتا رہا
کیا آپ کے لئے یہ مناسب تھا کہ آپ اختلاف عقیدہ کی بنا پر اُسے اس طرح
بے عزت کرتے؟ لکھا ہے کہ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت ندامت
ہوئی اور آپؑ خدا تعالیٰ کے حضور بہت توبہ واستغفار کرتے رہے۔

نتیجہ۔ خدا تعالیٰ کی سب مخلوق سے بلا لحاظ مذہب و عقیدہ مروّت و شفقت
سے پیش آنا چاہئے کہ اسی میں خداوند کریم کی رضامندی ہے۔

ہمارے زمانہ کے مرسل ربانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے
سلسلہ میں داخل ہونے والوں کو خاص طور سے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ وہ
اس امر کو خصوصاً مدِّ نظر رکھیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے دس شرائط
بیعت" میں نویں شرط یہ مقرر فرمائی ہے کہ ہمارے سلسلہ میں شامل ہونے
والا سچے دل سے عہد کرے کہ وہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں للہ
مشغول رہیگا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور
نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا"۔

عیب پوشی کی بے نظیر مثال

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گھر
میں کام کرنے والی ایک عورت نے موقع دیکھ کر کچھ چاول چُرا لئے۔ چور عموماً
ڈرپوک ہوتا ہے اس کے اعضا کی بے تابی اور اس کا ادھر اُدھر دیکھنا ایک

خاص وضع کا ہوتا ہے چنانچہ اس عورت کو کسی نے گھر میں سے تاڑ لیا۔ اور پکڑ لیا۔ شور پڑ گیا۔ سب گھر والے اکٹھے ہو گئے۔ اس عورت کی بغل سے کوئی پندرہ سیر چاولوں کی گٹھڑی نکلی۔ سب چھوٹے بڑے ملامت کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت اقدس علیہ السلام کا بھی کسی کام سے اُدھر سے گذر ہوا۔ شور شرابہ دیکھ کر آپ نے وجہ پوچھی تو کسی نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضور نے فرمایا بیچاری غریب اور محتاج ہے۔ اسے بُرا بھلا نہ کہو۔ بلکہ اسے کچھ دے دو۔ فضیحت نہ کرو اور خدا تعالیٰ کی صفتِ ستّار کو شیوہ بناؤ۔"

ایک نانبائی کی شکایت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور ایک دفعہ کسی شخص نے ایک نانبائی کی شکایت کی کہ وہ روٹیاں چرا لیتا ہے۔ حضور علیہ السلام خاموش رہے۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس شخص نے یہ خیال کر کے کہ آپ نے سنا نہیں۔ دوبارہ عرض کی۔ آپ پھر بھی خاموش رہے۔ اس نے تیسری مرتبہ عرض کیا تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اوّل تو آپ ایسا کوئی آدمی لائیں جو یہ کام کرے اور اس میں یہ نقص نہ ہو۔ تب ہم اس کو نکال دیں گے۔ اور اس کو رکھ لیں گے۔

دوسرے آپ یہ بھی تو خیال کریں کہ وہ نانبائی گرمی کے موسم میں تنور کے اوپر بیٹھ کر ایک روٹی کے لئے دو دفعہ جہنم میں غوطہ لگاتا ہے۔ اگر وہ ایسا ہی متقی ہوتا جیسا کہ آپ چاہتے ہیں کہ وہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ اُسے ایسی جگہ پر بٹھاتا کیوں؟ چاہئے تھا کہ وہ بھی آپ کی طرح کہیں کرسی پر بیٹھتا۔

سچ کی برکت

محکمۂ ڈاک خانہ جات کا پہلے یہ دستور ہوا کرتا تھا کہ جو شخص بُک پوسٹ پیکٹ میں کوئی چٹھی رکھ دیتا تھا اُسے چھ ماہ قید اور پانچسو روپیہ جرمانہ کی سزا

دی جاتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قانون کا علم نہ تھا۔ حضور نے اس ناواقفیت کی وجہ سے ایک عیسائی رلیارام کو جس کا امرتسر میں چھاپہ خانہ تھا۔ اسلام کی تائید میں آریوں کے مقابل پہ ایک مضمون برائے طباعت پیکٹ کی صورت میں (جس کی دونو طرف کھلی تھیں) ارسال فرمایا۔ اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھ دیا۔ چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے جن میں اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا۔ اور مضمون کے چھاپ دینے کی تاکید بھی تھی۔ اس لئے وہ عیسائی مذہب کی مخالفت کی وجہ سے افروختہ ہوا اور پیکٹ موصول کر کے اس نے حکومت کے پاس اس شکایت کے ساتھ وہ پیکٹ چٹھی سمیت پہنچا دیا کہ اس طرح کا خلاف قانون پیکٹ مرزا صاحب قادیانی نے مجھے بھیجا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک انگریز کی عدالت میں گورنمنٹ کی طرف سے مقدمہ دائر کیا گیا۔ حضرت اقدس علیہ الصلواۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

"مجھے ایک انگریز کی عدالت میں پیش کیا گیا اور میرے مقابل پر ڈاکخانہ جات کا افسر بحیثیت سرکاری مدعی ہونے کے حاضر ہوا۔ اس وقت حاکم عدالت نے اپنے ہاتھ سے میرا اظہار لکھا اور سب سے پہلے مجھ سے یہی سوال کیا۔

کہ کیا یہ خط تم نے پیکٹ میں رکھ دیا تھا؟ اور یہ خط اور یہ پیکٹ تمہارا ہے؟ تب میں نے بلا توقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی پیکٹ ہے اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی کے لئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا۔ بلکہ میں اس خط کو

اس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا۔ اور نہ اس میں کوئی رنج کی بات تھی۔
اس بات کو سنتے ہی خدا تعالےٰ نے اُس انگریز کے دل کو میری طرف پھیر دیا۔ اور میرے مقابل پر افسر ڈاکخانہ جات نے شور مچایا۔ اور لمبی لمبی تقریریں کیں۔ جس کو میں نہیں سمجھتا تھا مگر ہر ایک تقریر کے بعد زبان انگریزی میں وہ حاکم "نو نو" کرکے اس کی سب باتوں کو رد کر دیتا تھا۔
انجام کار جب افسر مدعی اپنے تمام وجوہ پیش کر چکا اور تمام بخارات نکال چکا۔ تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف توجہ کی اور شاید سطر یا ڈیڑھ سطر لکھ کر مجھ کو کہا کہ اچھا آپ کے لئے رخصت۔ یہ سن کر میں عدالت کے کمرہ سے باہر ہوا اور اپنے محسن حقیقی کا شکر بجا لایا جس نے ایک افسر انگریز کے مقابل پر مجھ کو ہی فتح بخشی اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت صدق کی برکت سے خدا تعالیٰ نے اِس بلا سے مجھ کو نجات دی۔
زمانہ گذر جاتا ہے لیکن بات یاد رہ جاتی ہے۔ اس مقدمۂ ڈاکخانہ میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے پہلو کو اختیار کر لیا۔ تو خدا نے ہماری رعایت رکھی۔ خدا تعالےٰ جھوٹ کی رعایت نہیں کرتا۔ جھوٹ جیسی کوئی منحوس شے نہیں۔ سچ والی ہر بات میں فتح ہوتی ہے۔ ہم پر سات مقدمات بنائے گئے۔ سب میں خدا نے ہم کو فتح دی۔"

خدا تعالےٰ کی پکڑ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص اپنے مقدمہ میں سچا تھا۔ لیکن پھر بھی اُس نے سزا پائی۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح سزا پاتے ہیں۔ وہ درحقیقت کسی اور جھوٹ کی سزا پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ہاں ایک سلسلہ حساب کا ہوتا ہے۔

بٹالہ میں ایک مولوی گل علی شاہ صاحب تھے۔ وہ (راجہ) شیر سنگھ کے لڑکے کے اُستاد تھے۔ اور شیر سنگھ ایک جابر اور ظالم حاکم مشہور تھا۔ ایک دفعہ شیر سنگھ نے ایک باورچی کو کسی ادنیٰ قصور مثلاً ہانڈی میں نمک کی زیادتی پر سخت سزا دی مولوی صاحب سادہ مزاج آدمی تھے۔ اور شیر سنگھ اُن کی عزت کرتا تھا۔ اور خاطر داری سے پیش آتا تھا۔ اس واسطے وہ بے تکلف اس کے ساتھ بات چیت کر لیا کرتے تھے۔ سو اس موقع پر بھی مولوی صاحب نے شیر سنگھ کو کہا کہ آپ نے تھوڑے سے قصور پر سخت سزا دی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ آپ نہیں جانتے اس شخص نے میرا سَو بکرا چوری کھایا ہے"۔

ایسا ہی انسان گناہ کسی اور موقع پر کرتا ہے اور پکڑا کسی اور موقع پر جاتا ہے۔ انسان کے واسطے شامتِ اعمال کا ذخیرہ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ وہی اُس کے پیش آجاتا ہے۔ جو شخص سچائی کو پکّی طرح اختیار کرتا ہے۔ اور خدا کے لئے ہو جاتا ہے۔ خدا اُس کی محافظت کرتا ہے۔

(ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

دیانتداری

پہلی صدی ہجری کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جو اپنے وقت کے حاکم بھی تھے۔ ایک روز رات کو بیٹھے حکومت کا کام سر انجام دے رہے تھے اور چراغ کی روشنی میں اپنی رعایا کے کچھ ضروری امور پر غور فرما رہے تھے۔ اتنے میں آپ کا ایک ذاتی غلام حاضر ہوا اور آپ کے خانگی امور کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ جن کا حکومت کے کاموں سے کچھ تعلق نہ تھا حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے غلام کو ارشاد فرمایا۔ پہلے چراغ گل کر دو۔ پھر مجھ سے گفتگو کرنا۔ کیونکہ اس چراغ میں جو تیل جل رہا ہے وہ مسلمانوں کے بیت المال

کا ہے۔ جو ہمارے ذاتی کاموں کے لئے مہیا نہیں کیا گیا۔ اس لیئے اس کا استعمال میرے ذاتی کاموں کے لیئے جائز نہیں۔ قومی کاموں میں ہی اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ غلام تعمیلِ ارشاد بجالایا۔ اور چراغ بجھا کر باتیں کرتا رہا۔ غلام جب باتیں کر چکا تو آپؓ نے اُسے چراغ جلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ چراغ روشن کر کے چلا گیا۔ تو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ رعایا کے کاغذات ملاحظہ فرمانے میں مشغول ہو گئے۔

دیانتداری کا ثمرہ

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ ثانی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانۂ خلافت میں رعایا کی خبر گیری کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ عموماً راتوں کو رعایا کی نگہداشت کے لیئے گشت لگایا کرتے تھے۔ ایک رات معمول کے مطابق آپ گشت لگا رہے تھے کہ ذرا سستانے کے لیئے ایک مکان کی دیوار سے لگ کر بیٹھ گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ گھٹا ٹوپ اندھیری رات تھی۔ کچھ نظر نہیں پڑتا تھا۔

اسی اثنا میں مکان کے اندر سے ایک آواز آئی۔ کسی عورت نے اپنی بیٹی سے کہا۔ بیٹی! اس دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دو۔ بیٹی نے جواب دیا۔ اماں جان۔ آپ کو معلوم نہیں۔ امیر المومنین نے ڈونڈی پٹوائی ہوئی ہے کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے۔ ماں نے کہا۔ بیٹی اُٹھو۔ تھوڑا سا پانی بیشک ملا دو۔ اس وقت یہاں کون دیکھتا ہے! جو امیر المومنین کو علم ہو جائیگا کہ ہم اُن کے حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں۔

نیک بیٹی نے کہا۔ امی جان! یہ جائز نہیں کہ ہم امیر المومنین کے سامنے

تو اُن کی اطاعت کا دم بھریں۔ لیکن پیچھے نافرمانی کریں۔ وہ نہیں دیکھتے تو آخر اللہ تو ہمیں دیکھ ہی رہا ہے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ چپکے سے یہ سب باتیں سُن رہے تھے۔ آپ نے اپنے غلام سے فرمایا سالم! اس مکان کی نشانی دیکھ لو اور اسے اچھی طرح پہچان رکھو۔ اس کے بعد آپ گشت لگانے کے لئے روانہ ہو گئے۔

علی الصبح آپ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ اور معلوم کرو کہ وہ دونو کون تھے۔ اور یہ کہ لڑکی بیاہی ہوئی ہے یا نہیں؟ حضرت سالم اس مکان پر پہنچے۔ دریافتِ حالات سے معلوم ہؤا کہ لڑکی بیوہ ہے۔ اور بڑھیا اس کی ماں ہے۔ مردوں میں اُن کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اپنے سب لڑکوں کو بلایا اور پُوچھا کہ تم میں سے کون اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں حاضر ہوں۔ اور بھائی تو شادی شدہ ہی ہیں حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ لڑکی کے ولی بنے اور عاصمؓ کا اُس لڑکی سے اُس کی ماں کی رضا مندی سے نکاح کر دیا۔ چنانچہ یہ نیک لڑکی امیر المومنین کی بہو بن کر امیر المومنین کے گھر آگئی۔ یہ لڑکی نہایت خوش نصیب ہوئی۔ اور اُس نے اپنی ایمانداری کا بہت اچھا پھل پایا۔ اُس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ (جن کی ایک حکایت تم سُن چکے ہو) کی ماں تھی۔ اس طرح وہ بیکس لڑکی ایمانداری کے نتیجے میں ایک عظیم الشان خلیفۂ اسلام کی نانی اور ایک جلیل القدر خلیفہ کی بہو بنی ؎

ایک قابلِ قدر فیصلہ

سلطان بایزید ترکوں کا ایک انصاف پسند جلیل الشان بادشاہ گذرا ہے۔

اُن کے زمانے میں مولینا شمس الدین رُومی رحمتہ اللہ علیہ (جو بہت بڑے عالم اور ولی اللہ تھے) چیف ججی کے عہدہ پر مامور تھے۔

ایک موقع پر اُن کی عدالت میں ایک ایسا مقدمہ پیش ہوُا جس میں بادشاہِ وقت کی گواہی تھی۔

حضرت مولینا رومی رحمتہ اللہ علیہ نہایت متشرع پاکباز بزرگ تھے۔ اُن کو معلوم تھا کہ بادشاہ کبھی کبھی نماز باجماعت میں سُستی کرتا ہے۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوُا تو چیف جج صاحب موصوف رحمتہ اللہ علیہ نے بادشاہ کی گواہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ مَیں اُن کی شہادت قابلِ قبول اور لائق اعتناء نہیں گردانتا۔

بادشاہ نے حیرت سے پُوچھا۔ حضور میرا کیا قصُور ہے؟ حضرت مولینا رُومی رحمتہ اللہ علیہ نے نہایت دلیری سے فرمایا کہ آپ نماز باجماعت کے باقاعدگی کے ساتھ پابند نہیں۔ اور جو شخص نماز باجماعت میں پابندی نہیں کرتا۔ میرے نزدیک اس کی شہادت ناقابلِ اعتناء اور غیر معتبر ہے۔ بادشاہ نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور آیندہ کے لئے توبہ کی۔ اور اپنے جج کی صاف گوئی پر بہت خوش ہوئے۔ اور اُس کے بعد ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ نماز باجماعت کے پابند ہو گئے۔

دلجوئی کی قابلِ تقلید مثال

دہلی کا بادشاہ ناصر الدین سلطان التمش کا پوتا جو ہندوستان کا ایک نہایت نیک دل اور خوش اخلاق بادشاہ گذرا ہے۔ وہ سلطنت کے خزانہ سے اخراجات نہیں لیتا تھا۔ بلکہ قرآن مجید خوشخط لکھ کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا گذارا چلاتا تھا۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ اس کی وجہ سے حتی الامکان

کسی کا دل نہ دُکھے۔

ایک روز ایک رئیس بادشاہ سے ملنے آیا۔ بادشاہ نے اپنا لکھا ہوا قرآن شریف اُسے دکھایا۔ رئیس نے کو نادفہمی سے بجائے قرآن شریف کی قدردانی کے چند غلطیاں نکال کر بادشاہ سے کہا کہ انہیں درست کر لیجئے۔ دراصل وہ غلطیاں نہ تھیں۔ اس رئیس کی کم علمی اور نادانی کا کرشمہ تھا مگر بادشاہ نے بالکل بُرا نہ منایا۔ بلکہ مُسکرا کر رئیس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور مبینہ اغلاط کے گرد پنسل سے حلقے ڈال دئے تاکہ رئیس پر ظاہر ہو کہ وہ اس کی حماقت سے کشودہ نہیں ہوا بلکہ انہیں درست کرے گا۔

دربار میں اور بھی بہت سے معززین حاضر تھے، جو بادشاہ کی بلند حوصلگی اور مروّت پر حیران ہو رہے تھے۔

وہ رئیس چلا گیا تو بادشاہ نے وہ پنسل سے کھینچے ہوئے حلقے مٹا دئے۔ ایک درباری نے پوچھا۔ حضور نے ایسا کیوں کیا۔ اور اس میں کیا مصلحت تھی؟ بادشاہ نے جواب دیا۔ میں جانتا تھا کہ غلطی تو کوئی نہیں مگر اپنے ملاقاتی کو شرمندہ کرنا اور اس کا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اب اُن کو مٹا دیا ہے۔

تمام حاضرین دربار بادشاہ کی نیک دلی اور خوش اخلاقی سے بہت خوش ہوئے۔ اور آج تم بھی اُس کی اس نیک خوئی کی بدولت یہ حکایت معلوم کر کے کہو گے اللہ کی رحمتیں اور برکتیں اُس پر نازل ہوں۔ آمین۔

ایثار کا قابل قدر نمونہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بزرگ صحابی تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی کے دن میں زخمیوں میں اپنے چچازاد بھائی کو تلاش کر رہا تھا

میرے پاس تھوڑا سا پانی تھا۔ مَیں اپنے دل میں خیال کرتا تھا کہ بھائی میں اگر جان باقی ہوئی تو اُسے یہ پانی پلاؤنگا۔ اور اس کا چہرہ دھوؤں گا۔ ایک جگہ مَیں نے اُسے پایا اور اشارے سے اُسے پُوچھا پانی پلاؤں؟ زخمی اور جان بلب بھائی نے کہا "ہاں"۔ اتنے میں ایک اَور مسلمان بھائی نے جو قریب ہی پڑا سِسک رہا تھا لمبی آہ نکالی۔ میرے چچا زاد بھائی نے کہا۔ پہلے پانی اُن کے پاس لے جائیے۔ میں اُن کے پاس پانی لے کر پہنچا۔ یہ ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔

ابھی ان کو پلانے نہ پایا تھا کہ پاس ہی سے ایک اَور زخمی کی آہ سُنی گئی۔ ہشام نے اشارہ سے کہا۔ پہلے انہیں پلا آئیے۔ مَیں اس کے قریب پہنچا تو وہ فوت ہو چکے تھے۔ پھر پلٹ کر ہشام کے پاس آیا تو وہ بھی جان دے چکے تھے۔ پھر جلد اپنے بھائی کے قریب آیا۔ مگر دیکھا تو اُن کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا اس طرح تینوں زخمیوں نے جان دے دی۔ مگر اپنے دُوسرے جان بلب بھائی سے پہلے پانی پینا گوارا نہ کیا۔

سبحان اللہ! ایثار اور قربانی کا کیسا دلکش نمونہ ہے۔

اللہ نہ بننا اور رسُول نہ بننا

حضرت مولوی حکیم نُورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کے کئی شہروں میں تعلیم حاصل کی۔ اسی ضمن میں حضور ریاست بھوپال بھی تشریف لے گئے۔ حضور فرماتے ہیں کہ حصولِ تعلیم کے بعد میں جب بھوپال سے رخصت ہونے لگا تو اپنے اُستاد مولوی عبدالقیوم صاحب کی خدمت میں رخصتی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ سینکڑوں آدمی بطریق مشایعت میرے ہمراہ تھے۔ جن میں اکثر علماء اور معزز طبقہ کے آدمی تھے۔

میں نے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی ایسی بات بتائیں جس سے میں ہمیشہ خوش رہوں۔ فرمایا کہ "خدا نہ بننا اور رسول نہ بننا"۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ اور یہ بڑے بڑے عالم موجود ہیں۔ غالباً یہ بھی نہ سمجھے ہونگے سب نے کہا۔ ہاں ہم بھی نہیں سمجھے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم خدا کس کو کہتے ہو؟ میری زبان سے نکلا کہ خدا تعالیٰ کی ایک صفت فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ فرمایا کہ بس ہمارا مطلب اسی سے ہے۔ یعنی تمہاری کوئی خواہش ہو اور وہ پوری نہ ہو تو تم اپنے نفس سے کہو کہ میاں! تم کوئی خدا ہو؟

رسول کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے۔ وہ یقین کرتا ہے۔ کہ اس کی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائینگے۔ اس لئے اس کو بہت رنج ہوتا ہے۔ تمہارا فتویٰ اگر کوئی نہ مانے۔ تو وہ یقینی جہنمی تھوڑا ہی ہو سکتا ہے لہذا تم کو اس کا بھی رنج نہ ہونا چاہیے۔ حضرت مولوی صاحب کے اس نکتہ نے اب تک مجھ کو بڑی راحت پہنچائی +

الٰہی غیرت

یہی حضرت فرماتے ہیں کہ "میری ایک بہن تھی۔ اُن کا ایک لڑکا تھا۔ وہ ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہوُا اور مر گیا۔ اس کے چند روز بعد میں گیا۔ میرے ہاتھ سے اُنہوں نے کسی ہیضہ کے مریض کو اچھا ہوتے ہوئے دیکھا مجھ سے فرمانے لگیں کہ بھائی! تم اگر آجاتے تو میرا لڑکا بچ ہی جاتا۔ میں نے اُن سے کہا کہ تمہارے ایک لڑکا ہوگا اور میرے سامنے ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہو کر مریگا۔ چنانچہ اُن کے ہاں ایک بڑا خوبصورت لڑکا پیدا ہوُا۔ پھر جب وہ ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہوُا۔ ان کو میری بات یاد تھی۔ مجھ سے کہنے لگیں کہ اچھا دعا ہی کرو۔

میں نے کہا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو اس کے عوض میں ایک اور لڑکا دے گا لیکن اس کو ثواب جانے ہی دو۔ چنانچہ وہ لڑکا فوت ہو گیا اور اُس کے ہاں ایک اور لڑکا پیدا ہوا جو زندہ رہا۔ اور اب تک زندہ برسر روزگار ہے۔ یہ الہٰی غیرت تھی ؎

ایک منافق دوست

یہی حضرت فرماتے ہیں کہ میرا ایک بڑا بھاری دشمن تھا۔ ایک شخص جو اکثر اُس کے پاس رہتا تھا میرے پاس آیا اور کہا کہ مجھ کو تحصیلدار تک پہنچا دو۔ میں تمہارے اُس دشمن پر قتل کا جُرم ثابت کئے دیتا ہوں۔ میں نے اپنے آدمی سے کہا کہ اس کو نکال دو۔ اس نے کہا کیوں؟ میں نے کہا تم جب اُس کے دوست بنے ہوئے ہو تو پھر اُس کو مقدمہ میں کیوں پھنساتے ہو۔ کہنے لگا کہ میں تو اس مقدمہ کے ثابت کرنے ہی کے لئے اُس کے پاس رہتا ہوں۔ میں نے کہا پھر تو تم منافق ہو۔ میں ایسے شخص کا روادار نہیں ؎

ایک رُوحانی سبق

انہی حضرت نے فرمایا کہ میرے ایک دوست تھے جن سے مجھ کو بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ میرے پاس آئے۔ وہ چائے پینے کے عادی تھے۔ میں نے ان کے لئے چائے تیار کرائی ہے۔ یہ سُن کر وہ بہت ہی ناراض ہوئے۔ اور یہ کہہ کر چل دئے کہ چائے تو ہم چوہڑے کو پلا دیتے ہیں۔ چلئے کا احسان ہم پر کیا جتاتے ہو۔ جب کہ ایک انسان دوسرے انسان کی رضامندی کا طریقہ نہیں معلوم کر سکتا۔ تو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہ اپنی تجویز سے کیسے معلوم کر سکتا ہے۔

دُوسرے کی تحقیر کا نتیجہ

یہی حضرت فرماتے ہیں کہ میں پنجاب کے ایک شہر پنڈدادن خان میں

مدرس تھا۔ اس کے قریب موضع میانی میں ہمارا ایک گھر تھا۔ جہاں جاتے ہوئے رستہ میں ایک ندی پڑتی تھی۔

ایک روز دورانِ سفر میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص نے اس ندی میں داخل ہوتے وقت اپنا تہ بند سر پر کھول کر رکھ لیا اور ننگا ہو کر چلنے لگا۔ ایک دوسرے شخص نے اُس کو بڑی ہی لعنت ملامت کی اور نہایت سخت سُست کہا کہ اس طرح ننگا ہو کر کیوں ندی میں جاتا ہے۔ اسی پہلے شخص کے پیچھے وہ دوسرا شخص بھی ندی میں داخل ہوا۔ جوں جوں آگے بڑھتا گیا۔ پانی گہرا آتا گیا اور وہ اپنا تہ بند اُوپر کو اُٹھاتا گیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ پانی تو شاید ناف تک آجائیگا تو اُس نے بھی اپنا تہ بند کھول کر سر پر رکھ لیا۔ اور پہلے شخص کی طرح بالکل ننگا ہو گیا۔ اُس وقت میری سمجھ میں یہ نکتہ آیا کہ جو شخص کسی دوسرے کی تحقیر کرتا ہے وہ خود بھی اُسی قسم کی ذلّت اُٹھاتا ہے۔ اگر وہ دوسرا شخص کپڑے کے بھیگنے کی پرواہ نہ کرتا اور ننگا نہ ہوتا تو کوئی بڑے نقصان کی بات نہ تھی۔

لیکن جس بات کے لئے اُس نے دوسرے کی تحقیر کی تھی اُسی کا مُرتکب اُس کو بھی ہونا پڑا ۔

ایک نجومی سے مقابلہ

یہی حضرتؓ فرماتے ہیں کہ مَیں کشمیر میں تھا۔ وہاں ایک نجوم اَعلَمُ العُلَمَاء یعنی تمام پنڈتوں کا اُستاد جوتشی تھا۔ اُس کی رسائی مہاراجہ کے گھر میں اندر عورتوں تک بھی تھی۔ مَیں نے اُن ایام میں کچھ عرصہ سے دربار میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ مَیں نے اُس سے پوچھا کہ یہ بتاؤ ہم دربار میں کب جائینگے۔ اُس نے اپنے بہت سے شاگردوں کو جمع کر کے کہا کہ اس سوال پر غور کرو۔ سب نے

اتفاق کر کے ایک تاریخ مقرر کی۔ مَیں نے کہا یہ تاریخ غلط ہے۔ پھر پنڈت صاحب نے خود بھی غور کیا اور سب کے اتفاق سے ایک تاریخ معیّن ہوئی۔ مَیں نے کہا یہ بھی غلط ہے۔

پھر مَیں نے کہا کہ ہم بتاتے ہیں۔ رات کا پچھلا حصّہ ہوگا۔ فلاں تاریخ ہوگی۔ جب ہم بُلائے جائینگے اگر کہو تو اُس وقت تم کو بھی جگا دیں۔ چنانچہ اُسی تاریخ اور اسی وقت جب بلانے والا آیا تو میں نے اُس سے کہا کہ فلاں راستہ سے چلینگے۔ چنانچہ راستہ میں جب پنڈت جی کا مکان آیا۔ تو میں نے پنڈت جی کو بُلایا۔ وہ سوتے ہوئے اٹھ کر باہر آئے۔ میں نے کہا کہ دیکھو ہم بلائے ہوئے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد پنڈت جی مجھ سے کہا کرتے تھے کہ مہاراج تمہارا اتنا جک بڑا زبردست ہے۔ ہم کو بھی بتا دو؟ ہمارا نجوم درحقیقت صرف اس قدر تھا کہ پیشتر سے یہ معلوم تھا کہ فلاں تاریخ کو آم آنے والے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ یہ بہت کھا جائینگے اور ہماری ضرورت پڑیگی۔ آم کھانے سے ہمیشہ رات کے پچھلے حصّہ میں نفخ ہوا کرتا تھا +

نصرتِ الٰہی کی درخشندہ مثال

یہی حضرت فرماتے ہیں کہ میرے ایک بنارس کے رہنے والے محسن مولوی عبدالرشید تھے۔ اُنہوں نے میرے ساتھ بڑی نیکیاں کی ہیں۔ وہ مراد آباد میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مہمان عشا کے بعد آ گیا۔ اُن بنارسی بزرگ کے بیوی بچے نہ تھے۔ مسجد کے ایک حجرہ میں رہتے تھے۔ حیران ہوئے اب اس مہمان کا کیا بندوبست کروں۔ اور کس سے کہوں۔ اُنہوں نے مہمان سے کہا کہ آپ کھانا پکنے تک آرام کریں۔ وہ مہمان لیٹ گیا اور سو گیا۔ اُنہوں نے وضو کر کے قبلہ رُخ بیٹھ کر یہ دُعا پڑھنی شروع کی۔ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ

بَصِیرٌ بِالعِبَاد۔ کہ میں اپنا امر خدا کو ہی سونپتا ہوں وہی اپنے بندوں کی حالت کو اچھی طرح جانتا ہے۔

جب اتنی دیر گذری کہ جتنی دیر میں کھانا پک سکتا ہے۔ اور یہ برابر دُعا پڑھنے میں مصروف تھے کہ ایک آدمی نے باہر سے آواز دی کہ حضرت! میرا ہاتھ جلتا ہے جلدی آؤ۔ یہ گئے تھے ایک شخص تانبے کی رکابی میں گرم گرم پلاؤ لئے ہوئے آیا۔ اُنہوں نے لیا اور مہمان کو اُٹھا کر کھلایا۔ وہ حجرہ اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اُس رکابی کا کوئی مالک نہ نکلا۔ وہ تانبے کی رکابی رکھی رہی تھی۔ اور وہ کہا کرتے تھے جس کی رکابی ہو لے جائے۔ لیکن کوئی اس کا مالک پیدا نہ ہوا۔

ایک لطیفہ

سناؤں تمہیں دوستو اک لطیفہ
چلے جاتے تھے ایک دن بُو حنیفہؒ

جو تھے مجتہد اور امامِ زمانہ
ہے مشہور عالم میں جن کا فسانہ

بڑے متقی تھے بڑے پارسا تھے
خُدا کی خُدائی میں اِک باخُدا تھے

اُنہوں نے یہ رستے میں ناگاہ دیکھا
کہ ہے دوڑتا جا رہا ایک لڑکا

کہا اُس سے حضرت نے اے پیارے لڑکے
سنبھل کر چلو ورنہ تم گر پڑو گے

کہا شوخ لڑکے نے یہ بات سُن کر
کہ اے مجتہد اور دُنیا کے رہبر

اگر میں گرا بھی تو تنہا گروں گا
جو تکلیف ہوئی خوشی سے سہوں گا

مگر ہاں جناب آپ ہوشیار رہیئے
مقامِ خطر ہے خبردار رہیئے

قدم آپ کا گر پھسل جائے حضرت!
تو دُنیا میں ہو گی بپا اِک قیامت

پھسلنے کے ساتھ آپ کے ایک عالم
گرے گا جہنم میں اے شیخِ اعظم

(حافظ)

انوکھی خیانت

ایک عاقل کو جو تھا اُس کا وزیرِ سلطنت
دے دیا اِک بار یہ کہہ کر سکندر نے جواب
مُدتوں سے رات دِن تم ساتھ رہتے ہو مرے
آج تک لیکن نہ بتلایا کوئی عیب و ثواب
آدمی سے ایسی ہوتی ہیں خطائیں سینکڑوں
جن پہ کر سکتے ہیں از روئے فراست احتساب
لامحالہ خامشی سے لازم آئے دو سبب
اور اُنہیں دو کا نتیجہ ہو گیا وجہِ عتاب
یا نہیں سمجھے خطا کو یا چھپایا آپ نے
ایسی حالت میں نہیں جاہل تو خائن ہیں جناب

(دُرجِ ادب)

حقِ مہمانی

باپ کے قاتل کو معافی

جب بنی اُمیّہ کے خاندان سے اسلامی بادشاہی جاتی رہی۔ اور بنی عباس بادشاہ ہونے لگے۔ اُس وقت خاندان بنی اُمیّہ کو بڑی مصیبت کا سامنا تھا۔ بہت سے بے گناہ اپنی جانوں کے خوف سے اِدھر اُدھر چُھپتے پھرتے تھے۔ انہیں میں ایک شہزادہ ابراہیم سلیمان بن عبدالملک کا بیٹا بھی تھا۔ یہ نوجوان شہزادہ عالم و فاضل۔ ادیب۔ اور نہایت قابل آدمی تھا چند معزز اور شریف لوگوں کی سفارش پر خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اس کو امان دیدی۔

اور یہ عزت بخشی کہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک روز خلیفہ نے پوچھا۔ ابراہیم! جس زمانے میں تم اپنے دشمنوں سے جان بچاتے اور چھپتے پھرتے تھے۔ کیا تم پر کوئی ایسا واقعہ بھی گذرا ہے جو یاد رکھنے کے قابل اور تعجب انگیز ہو۔

شاہزادہ ابراہیم نے کہا۔ حضور! ایک عجیب قصہ گذرا ہے۔ جو نہیں نے پھر دیکھا اور نہ سُنا۔ اور جس کا اثر دل پر اب تک ہے۔

امیرالمومنین! مقام حیرہ میں ایک جنگل کے کنارے پر ایک مکان سا بنا ہوا ہے۔ میں اس میں روپوش تھا۔ ایک روز اُوپر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ چند سیاہ جھنڈے نظر آئے جو کوفہ سے چل کر حیرہ میں آرہے تھے۔ میں سمجھا۔ یہ لوگ میری تلاش میں ہیں۔ چھت سے اُتر کر جھٹ مکان کے پچھواڑے نکل کر کوفہ کو چل دیا۔ وہاں کوئی میرا ایسا جاننے والا نہ تھا۔ جس کے پاس چھپ جاتا۔ بہت پریشان اور رنجیدہ تھا۔ گھبرا گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھتا جا رہا تھا۔ کہ ایک بڑے دروازے پر نظر پڑی۔ معلوم ہوا کہ اندر وسیع صحن ہے۔ میں اندر داخل ہوا تو دیکھا۔ ایک دُہرے جسم کا خوبصورت آدمی صحن میں آ رہا ہے جس کی معیت میں چند خادم بھی ہیں۔ گھوڑے سے اُتر کر میری طرف دیکھا اور پُوچھا۔ تم کون ہو؟ اور کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا ایک پریشان اور خوف زدہ آدمی ہوں۔ جان کا اندیشہ ہے۔ آپ کے مکان میں پناہ لینے آیا ہوں۔

یہ سُن کر وہ جوان مجھے مکان کے اندر لے گیا۔ اور ایک خاص کمرے میں رکھا جو بالکل زنانہ مکان سے ملا ہوا تھا۔ میں کئی روز تک وہیں نہایت آرام سے رہا۔ کھانے پینے۔ پہننے کی عُمدہ عُمدہ چیزیں میری خواہش کے موافق حاضر رہتی تھیں۔ اس نے مجھ سے کبھی یہ نہ پوچھا کہ تم کون ہو۔ اور یہاں تک کیونکر پہنچے۔ میں دیکھتا تھا کہ روزانہ صبح سویرے گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں

چلا جاتا ہے۔ اور پھر ظہر کے قریب واپس آتا ہے۔ ایک روز خود میں نے پوچھا آپ روزانہ کہاں اور کس غرض سے جاتے ہیں۔

نوجوان بولا۔ بھائی میرے باپ کو ابراہیم بن سلیمان نے بلاوجہ قتل کر ڈالا۔ معلوم ہوا ہے کہ حیرہ میں روپوش ہے۔ اُسی کی تلاش میں جاتا ہوں تاکہ اپنے مرحوم باپ کا بدلہ لے سکوں۔ ابراہیم کہتے ہیں۔ امیر المومنین! اس نوجوان سے یہ سُن کر میں حیران رہ گیا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ میری قضا مجھے یہاں تک لائی ہے۔ اور جو میرے خون کا پیاسا ہے اس کے ہاتھ میں پہنچا دیا ہے۔

امیر المومنین! خدا کی قسم میں اُس وقت اپنی زندگی سے بیزار اور موت کا منتظر تھا۔ میں نے نوجوان اور اُس کے باپ کا نام دریافت کیا۔ واقعی وہ سچ کہتا تھا۔ بیشک میں نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ پھر میں نے اُس سے کہا بھائی سُنو۔ مجھ پر تمہارا حق ہے اور ضرور ہے۔ تم نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا ہے اور اس کا یہی تقاضا ہے کہ تمہارے دشمن کا پتہ لگا دوں۔ بلکہ سامنے لا کھڑا کروں اُس نے کہا کہ صرف حلیہ بتا دو۔ اور یہ کہ کہاں ہے اور کون ہے؟

شاہزادہ ابراہیم۔ تمہارے باپ کا قاتل میں ہی ہوں۔ مجھ سے بدلہ لے لو اور میرا خاتمہ کر دو۔ نوجوان نے (مسکرا کر اور یقین نہ کر کے) کہا کہ رات دن کی روپوشی اور اہل و عیال سے دُوری نے تمہیں بہت غمگین اور جان سے بیزار کر دیا ہے اسی وجہ سے تم زندگی کو موت سے زیادہ عزیز سمجھ رہے ہو۔

شاہزادہ ابراہیم۔ نہیں خدا کی قسم۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تمہارے والد کو فلاں دن فلاں سبب سے میں نے ہی قتل کیا تھا۔ نوجوان سمجھ گیا کہ ابراہیم سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔ دونوں آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ دیر تک خاموش کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ اگر تم ہی میرے باپ کے قاتل ہو تو خیر ایک دن خدا

کے سامنے میرے والد مرحوم تمہاری گردن پکڑینگے۔ اور اس عادل حاکم کے سامنے خُون کا بدلہ لینگے۔

میں بدعہدی اور بے وفائی نہیں کر سکتا۔ مَیں نے امان دی ہے۔ اُسے توڑ کر ذلیل نہیں کر سکتا۔ مگر اب بھلائی اسی میں ہے کہ تم میرے گھر سے چلے جاؤ۔ لو یہ ہزار اشرفیاں اور زادِ راہ بطورِ حق مہمانی دیتا ہوں۔ اب مَیں تمہاری صُورت نہ دیکھوں۔ شاہزادہ ابراہیم کو بڑی غیرت آئی۔ اور اُس کی شرافت کا دِل پر بہت اثر ہوا۔ روپیہ لینے سے تو انکار کر دیا۔ لیکن جان بچا کر وہاں سے چل دیئے۔ شاہزادہ ابراہیم نے کہا۔ امیر المومنین! اس سے بڑھ کر اپنے عہد کا پابند اور شریف آدمی مَیں نے نہیں دیکھا۔ اور نہ اس واقعہ سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا کوئی اَور واقعہ دیکھا۔

عزیزو! تم نے دیکھا ہمارے بزرگ عہد و پیمان کا کتنا لحاظ رکھتے تھے۔ تم بھی دُنیا کو ایسا ہی نیک نمونہ دکھا کر اپنی ملّت و جماعت کا نام روشن کرو۔

وعدہ ایفائی کی برکت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جنرل ہرمزان

فارس کی فوجوں کا ایک جنرل ہرمزان نامی اسلامی فوج سے ہزیمت کھا کر بحالتِ قید امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کیا گیا۔ حضرت عمر رضؓ نے اُس کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ اُس نے کہا کہ قتل کرنے سے پہلے مجھے پانی پلا دیا جائے۔ چنانچہ پانی لایا گیا۔ ہرمزان نے پانی کا کٹورا لے کر مُنہ سے لگایا۔ مگر فوراً گھبرا کر ہٹا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیوں پیتا کیوں نہیں؟

ہرمزان نے کہا۔ ایسا نہ ہو کہ پانی پینے میں ہی آپ قتل کر دیں۔ میں چاہتا ہوں جب تک یہ پانی نہ پیوں قتل نہ کیا جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔ ہاں تمہاری یہ درخواست منظور ہے۔ جب تک یہ پانی نہ پی لوگے تمہیں قتل نہیں کیا جائیگا۔

ہرمزان نہایت چالاک اور ہوشیار آدمی تھا۔ اُسے جان بچانے کی ایک تدبیر سمجھ میں آگئی۔ اُس نے فوراً پانی کا کٹورا پھینک دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اب اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ سن کر چالاک ہرمزان بولا۔ حضور! ابھی تو مجھے امان دے چکے ہیں اور یہ فرما چکے ہیں کہ جب تک یہ پانی نہ پی لوگے قتل نہ کئے جاؤ گے۔ میں نے پانی کب پیا؟

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ اپنے عہد کے پکے اور بات کے پورے تھے وہ کیونکر مکر سکتے تھے؟ آپ نے اُسی وقت اُسے رہا کر دیا۔ اور فرمایا تم نے بڑی چالاکی سے اپنی جان بچائی۔ اچھا جاؤ۔ ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔ اب ہرمزان کی خوشی کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ ہرمزان بھی شریف آدمی تھا۔ اُس نے بھی جان کی امان پاکر اس احسان کا پورا حق ادا کیا۔ وہ مسلمان ہوگیا۔ اور کافروں سے ایسی ایسی لڑائیاں لڑا کہ تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے اُس کا نام زندہ ہوگیا۔ شریف آدمی اپنی بات کے بہت پکے ہوتے ہیں۔ اور نیک لوگ احسان کو نہیں بھولتے ہ

حضرت عالمگیر اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ اور ایک بڑھیا

حضرت عالمگیر اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ نے موضع حسن ابدال کے سفر میں ایک روز ایک باغ میں قیام کیا۔ دیوار کے نیچے ایک بڑھیا کا مکان تھا۔ بڑھیا

کی ایک پن چکی تھی جس میں بلغ سے پانی آتا تھا۔ سرکاری آدمیوں نے پانی روک لیا۔ اور پن چکی بند ہو گئی۔ حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کو خبر ہوئی تو اسی وقت پانی کھلوا دیا۔ رات کو جب کھانے پر بیٹھا تو کھانے کے دو قاب اور کچھ نقد و جنس ابوالخیر کے ہاتھ بڑھیا کو بھجوائے۔ اور کہا کہ میری طرف سے معذرت کر دینا کہ افسوس ہمارے آنے سے تم کو تکلیف ہو گئی۔ تم معاف کر دو۔ صرف یہی نہیں بلکہ صبح ہوئی تو بڑھیا کو پالکی بھیج کر بلوایا اور حرم میں بھیجا۔

دریافت سے معلوم ہؤا کہ بڑھیا کے دو بن بیاہی بیٹیاں ہیں اور دو بچے ہیں۔ اسی وقت اُس کو دو سو روپے عنایت فرمائے۔ مستورات حرم نے بڑھیا کو مالا مال کر دیا۔ اور تین دن کے بعد پھر بلوایا اور لڑکیوں کی شادی کے لئے دو ہزار روپے عنایت فرمائے۔ بیگمات اور شاہزادوں نے روپے اور اشرفیاں برسا دیں۔ چند ہی دن میں بڑھیا اچھی خاصی دولتمند بن گئی ✦

مومنانہ مروّت

رجا بن حیات کہتے ہیں کہ ایک رات کچھ باتیں کرتا ہؤا میں امیرالمومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس رہ گیا۔ اتنے میں چراغ گل ہو گیا۔ اور آپ کا خادم قریب ہی آپ کے پاس سو رہا تھا۔ میں نے کہا کہ چراغ جلانے کے لیئے اسے جگا دوں؟ آپ نے فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا۔ اچھا میں جلا دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ مہمان سے کام لینا مروّت کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ خود اُٹھے اور چراغ میں تیل ڈال کر اسے روشن کر دیا۔ پھر آپ میرے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ "میں خود اُٹھا اور چراغ جلا لیا۔ اور وہی عمر بن عبدالعزیز باقی رہا جو پہلے تھا" ✦

پبلشر ابوالفضل محمود قادیان۔ مطبوعہ سعید پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام سردار محبوب اللہ منتظر بی۔اے۔ایل ایل بی پرنٹر چھپوائی